



سے سجانا زک پیر ٹھنڈے ماربل پر پڑا اور ایک سروی لہاس کے بدن میں دوڑ گئی۔ ساتھ ہی بھاری پاز بیس چھنک چھنک گئیں۔ اب تک اسے جس راستے سے گزار کریں گا اس کمرے تک لا یا گیا تھا وہاں اس نے دیز قالینوں کی نرمی ہائی ہیل کی سینڈل کے باوجود محسوس کی تھی، جھکی ہوئی نگاہوں کے ساتھ خوش رنگ قالینوں پر بکھری پھولوں کی پتیاں بھی دیکھی تھیں اور اب وہ قدرے حیرت کے ساتھ نگے پیر کے پیچے سرمنی جھاگ کا سا چمکدار سنگی فرش دیکھ رہی تھی۔

بیٹھ پہ بھی وہ آرائش مفقود تھی جو عموماً "دہنوں کے

وروازہ بند ہونے کی آواز سے اس نے محسوس کیا کہ کوئی کمرے میں موجود نہیں، خود کو تنہا پاتے ہی اس پر چھائی گھبراہٹ عروج پر جا پہنچی تھی۔ حلقت خشک ہونے کو تھا۔

زمین باجی جاتے جاتے اسے کریے میں موجود ضرورت کی ہر چیز کے بارے میں بتا گئی تھیں لیکن پھر بھی اس کی ہمت نہ ہوئی ہاتھ بردھا کے سائیڈ ٹبلے سے یانی کا گلاس اٹھانے کی پچھہ منڈ کے بعد بھاری آنجلی * کی بھری سے نگاہیں اور ہرا ہر دوڑا کراس نے کسی کے نہ ہونے کا اطمینان کیا اور پھر اس کے سچے سورے وجود میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔ منڈی کے گل بتوں

مکمل ناول



اس کی شادی طے پائی تھی۔ ول مرا مراسا تھا۔ اماں کی موت نے ہر چیز سے بیزار تو پسلے، ہی کر رکھا تھا اور پرے یہ آتا ”فانا“ شادی مزید بو کھلا گئی۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہ تھا۔ اس کے ہاتھ میں تھا، ہی کیا جو وہ کوئی فیصلہ کرتی۔ سب معاملات تقدیر یہ چھوڑ کر وہ یوں۔ الگ تھلک ہو گئی جیسے یہ شادی اس کی نہیں کسی اور کی ہو، ہی ہو۔ محلے اور خاندان کی عورتیں اس کی شاندار بربی اور بارات کے ساتھ آنے والی بیکامات کے باریے میں کیا کیا تبصرے کر رہی تھیں اسے کچھ دیکھی نہ تھی۔ نازو نے اس کے عروی لباس اور بیش قیمت زیورات کی تعریف میں کیسے کیسے قصیدے پڑھے۔ اس نے پروانہ کی بست بندی آنے والے وقت کا انتظار کرتی رہی۔

اور تب تب پہلی بار اسے اپنی یہ کوتاہی کھلی۔ ”جب شادی کرنی ہی گھنی تو زراڈھنگ سے دلمن بھی بن چاہی۔ اب اچھا تماشا لگے گامیرا۔“ وہ مایوس تو پسلے ہی گھنی، مستقبل سے اُب نا مسید بھی ہو گئی۔ ”اپک تو پسلے ہی تھوبرا کچھ خاص نہیں۔ اور اس آٹھویں یوں نیشن نے اندر ہرے میں تاک ٹویاں مارتے ہوئے نجانے کیا لیا پوچھی کی ہے مجھے اپنی تو نہیں، نہ من باجی کی فکر ہے تو لوگ اپنیں ہی باشیں سنائیں گے۔ آخر اپنے دیور کے لیے میرا انتخاب ان ہی نے کیا ہے۔ چلو اچھا ہے، اب بھگتیں اقراپروری کا خمیازہ، برا شوق تھا اپنی سرال میں مجھے کھپانے کا۔“

اس نے بے ڈھنگے پن سے آنچل کا پلوگز بھر آگے لٹکالیا۔ کوئی ہاتھ سے پتھر کرنے کی کوشش بھی کرتا تو میخوں کی طرح ٹھونکی پھعن کامپا بنا ہونے دیتیں۔ باجی کو نازو سے ”واردات“ کی تفصیل ملی تو انہوں نے معاملہ سلچالیا۔ گھر آتے ہی پہلے اس کا حشر درست کروایا اور بھر موی بنوائی۔ اور اب جاتے جاتے وہ اس کی خاصی تعریفیں کر کے گئی تھیں۔ خوشناکی ساس تو تھیں نہیں، نہ ہی کوئی نہ۔ رشتے

استقبال کی غرض سے کی جاتی ہے۔ یلوٹ کا ڈارک گرے کو رجھا تھا جس کے وسط میں اور سرہانوں کے اوپر ایک انتہائی جان دار سا گلبہ کا پھول پرنٹ تھا۔ جان دار اس لیے کہ لدر سے ہی ایسکی پتوں پر ڈے شہنم کے قطروں کی نمی محسوس ہوتی ہے۔ اس نے ذرا سا ہاتھ بھاکے اس تھلیں نقش پر انگیاں پھیرس۔ سائیڈ نیبل پر رکھے خوش نما گلدان میں تازہ گلبہ خوبصورتی سے سجائے گئے تھے۔ فضا میں ان کی خوبیوں طرح رچی ہوئی تھی کہ اسے اپنے بدن سے اٹھتی ابھی، مہندی اور عطر کی مہک مدھم رڈتی محسوس ہوئی۔ صندل اور چنیلی کے عطر میں گوندھ گوندھ کے یہ ابھی اس کی بچپن کی سہی نیازو نے تین دن تک لگایا تھا اور ہاں۔ اس کے آنسو بھی تو اس میں گندھے ہوئے تھے۔ اسے اشکوں کے موتی تھفے میں دینے کے سوا اور وہ کیا کر سکتی ہے۔ حالانکہ کوئی اس کے مل سے پوچھتا کہ نازو کے آنسو اسے کتنی طمانتی دے رہے تھے۔ اسے یہ سوچ سوچ کر تسلیم ہو رہی تھی کہ کوئی تو ہے، کوئی تو ہے۔ اس بھری دنیا میں اس کی رخصتی پر رونے والا۔

نازو کی یاد نے خوش نما کو پھر سے ادا کروایا۔ آنکھیں ڈبڈیاں گئیں۔ اس نے مشکل سے خود کو روئے سے باز رکھا۔ ابھی کچھ در پسلے ہی تو نہیں باجی نے کسی لڑکی سے کہہ کر اس کامیک اپ درست کروایا تھا۔ ایک تو رخصتی کے بعد وہ پورے چار گھنٹوں کا سفر کر کے یہاں پہنچی تھی اور ویسے بھی میک اپ کون سا بہت عمده ہوا تھا۔ نازو اپنی بجا بھی کے ساتھ اسے محلے کے جس بیوی پارلر لے گئی تھی، وہ بس یونہی ساتھا جیسا کہ چھوٹے شہروں کے پرانے محلوں میں ہونا چاہیے سونپیہ سماں کہ یہ کہ وہ علاقہ لوڈ شیڈنگ کی زد میں تھا۔ آدمی سے زیادہ تیاری کے بعد اچانک ہی لائن چلی گئی چونکہ لوڈ شیڈنگ کا دورانیہ طویل تھا۔ اس لیے فشنگ پھر لائیں کی روشنی میں دیے گئے تباہے پہلی بار اپنی لاپرواں اور لا تعلقی پر غصہ آیا۔ جب سے

کسی کے ہاتھ نے سرپہ ٹھنڈا سایہ نہ کیا۔ کسی کے لبوں نے سدا سکھی رینے کی نوید نہ سنائی۔ سب کو اس کی رخصتی کی جلدی بھی جیسے ناکارہ اور سڑی ہوئی بدیودار چیز کو لوگ جلد از جلد باہر پھینکنے کی فکر میں ہوتے ہیں۔ اسے تو آنے والے وقت سے بھی کوئی خوش کن امید نہ تھی۔ اور اس کا خدشہ شاید صح ثابت ہو رہا تھا کہ کرے کی سادگی مکین کی سرد مری کو ظاہر کر رہی تھی۔ اس نے اپنا وہیان بٹانے کی غرض سے ایکبار گرد پیش کا تفصیلی جائزہ لینے کا راہ کیا۔

کسرہ و سبع بھی تھا اور خوبصورت بھی لیکن کسی بھی طرح ایک نئی دلمن کے لیے بطور خاص تیار کیا گیا معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ سیاہ رنگ کی جھلک ہر چیز میں نمایاں بھی جس نے اسے اور متوجہ کروایا۔ ملکے سرمنی مارپیل کے فرش کے کناروں پہ سیاہ پٹی کی ٹالیں نصب تھیں۔ کرے کے وسط میں مختصر سا

سیاہ قالین گرے سرمنی ڈیزاں سے سجا عجیب چرٹکوہ لگ رہا تھا۔ سفید دیواروں پہ ملکے سرمنی پر دے لٹک رہے تھے جن پہ سلور پتوں کی بلیں اور ٹوبل کھاتی جا رہی تھیں۔ آئن راؤ کا جدید اسٹائل کا بلیک فرنیچر تھا۔ نازک سی عجیب و غریب ڈیزاں والی چیز اور ڈرنسنگ نیبل، آئن راؤ کا ہی یہ بڑا سایہ تھا، فرنیچر کے گرے سیاہ رنگ میں سلور گلر کا امتزاج تھا۔

چمکتے ہوئے سلور نازک پتے جا بجا نقش تھے دیواروں پہ آرائشی اشیاء مفقود تھیں۔ عقب میں ایک خوبصورت پینٹنگ بنگی تھی تو دامیں طرف کی دیوار پہ چیزز کے عین اوپر نصیب کی تصویر بھی تھی۔ اس نے غور سے تصویر کو لکھا ایسی ہی ایک تصویر اسے شادی سے پہلے نازو نے بھی دکھائی بھی جسے بے دل سے ایک لنظر دیکھنے کے بعد اس نے پرے کر دیا تھا لیکن اب اس وقت اس چرے کی توجیہے شان، ہی اور تھی شاید کرے کے ماحول کا اثر ہو یا پھر ایثار ج ہونے کے بعد تصویر کی خوبصورتی سو گناہ بھی تھی۔ خوش نمانے حرث کے ساتھ ایک ایک نقش کا

کی ممانتیوں، چھیوں نے خوب تبصرے کیے۔ ملا جلا سارہ عمل تھا۔ "تعریف بھی پنیڈ ہونے کا بلکہ ساطر بھی۔ اور یہ جملہ تو تقریباً" ہر سرالی آنٹی نے ادا کیا۔ "ہاں بھئی، ساس سر پر نہیں، سرلا تعلق، دیور کی منہ چڑھی بھا بھی ہے، اس لیے لے آئی اپنی مرضی سے ایپنے ہی خاندان کی لڑکی ورنہ اپنے نصیب کو کوئی کمی تھی لڑکیوں کی۔ خاندان میں اور خاندان سے باہر ہزاروں رشتے تھے۔ خود لڑکے کے ہی مزاج نہ ملتے تھے۔ اتنی اونچی پسند تھی۔ اب نجا نے کیسے بھا بھی نے قابو کیا ہو گا؟"

خوش نما کا گزور سادل دھڑک دھڑک جاتا یہ بے لگ تبصرے سن کر۔ اور پھر ایک بار عرب سی آواز نے ان تمام سرگوشیوں کا گلا گھونٹ دیا۔ "کیوں بچی کو گھبرائے دے رہی ہو، یوں اردو گرد جگھٹا بناؤ۔"

اس کے سرپہ چڑھی تمام خواتین اپنی اپنی جگہ پہ بیٹھ گئیں۔ باجی نے تعارف کرایا۔

"خوتو! ایہ نانو ہیں، امی کے بعد ان ہی نے اس گھر کو اور ہم سب کو سنبھالا ہے۔ طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے یہ اتنا بسا فرنہیں کر سکیں۔"

اس نے مدھم آواز میں سلام کیا، ایک مشقق ہاتھ اس کے سرپہ ٹھہر کیا اور دھیروں دھیروں دعا میں لبوں سے برنسے لگیں۔ دعا میں بھی اپنی ہی ایک طاقت ہوتی ہے۔ اسے کاکیک تقویت کا احساس ہوا اور سن ہوتے بدن میں زندگی کی نئی لہر دڑی اس نے مشکور نگاہوں سے نانو کو ریکھنا چاہا۔ آچھل کی سنسری اوٹ سے ایک نور انیسا ہیولہ نظر آیا تھا۔

"گون جانے یہ دعا میں کتنی بااثر ہیں۔" کرے کی تھائی اسے پھر سے گزور کرنے لگی۔

اجنبیت کا احساس ہر احساس پہ حادی ہو گیا۔

"میرے پلو میں ماں کی دعائی ہے، ہی نہیں۔" اس بات کا ملال اسے کئی محرومیاں دے گیا۔

ماموں، ممانتی، خالوں کتنے لوگ جمع تھے وداعی پہ لیکن

”اور اب تم سب لوگ جان چھوڑ دو اس کی ورنہ یہ
یونہی کھڑا مائیں بھار تار ہے گا۔“
”اوہ، کہاں گئی ہے؟“ وہ شاید جیسیں ٹول رہا تھا۔
”ہوش میں لانے کی دوا تو رکھنا ہی بھول گیا
بھا بھی۔“

”کوئی بات نہیں، میں جوتی سنگھاروں گی۔“ باجی
نے تسلی دی اور اسے تقریباً دھکا دے کر اندر گھسایا۔
”ہائے ہائے بڑے بے آبرو ہو کر اپنے ہی کوچے
میں ہم آئے۔“ اس نے دلائی دی اور بھا بھی اس کی
تک بندی پہ نستی واپس چلی گئی۔

”یا راجم از کم آئندہ اتنی دور کے شر شادی نہیں
کرنے۔“ انگرائی لیتے ہوئے اس نے عجیب و غریب سا
اعلان کیا جو خوش نما کے سر سے گزر گیا۔

”چار گھنٹے بارات لے جانے میں اور چار گھنٹے واپس
لانے میں، تم نہیں تھکیں۔“ کوٹ اتار کے چیسر پہ
بھینکنے کے بعد اس کے قریب بیٹھتے ہوئے وہ اس قدر
دوسرا نہ انداز میں پوچھنے لگا، گویا دونوں کے درمیان
عرصہ کی بے تکلفی ہو۔

”شادی اچھا خاصابور کام ہے، ہے نال؟“ تصدیق
کی خاطر دہ قدر سے جھک کر آپنی کی لمبائی جانچنے لگا۔
”اور خاص پر طور پر اپنی شادی بیگانی شادی پہ تو پھر بھی
کوئی نہ کوئی نمائش اپنے کو مل جاتا ہے۔ لیکن یہاں تو
انسان خود نمائشابن جاتا ہے۔“

ابھی وہ اس عجیب سی تعارفی گفتگو پہ الجھ ہی رہی
تھی کہ وہ پھر گویا ہوا۔

”سنا ہے، اب تم خاصی بہتر لگ رہی ہو۔ میرا
مطلوب ہے رباب کے کے گئے میک اپ کے بعد،
لیکن میں سنی سنائی پہ یقین نہیں کرتا۔“

اس کے طویل چیلے کے ابتداء سیہے میں الجھی وہ خود کو
تسلی دے ہی رہی تھی کہ یقیناً ”نصیب“ کا مطلب وہ
نہیں جو اسے لگا کہ اچانک اس کے گھونٹھٹ الشادی نے
پہ وہ ہٹربرا کے رہ گئی، چند سیکنڈ خاموشی سے گزرے۔
اس کے کمرے میں آنے کے بعد یہ واحد لمحات تھے

جازہ لیا۔ کسی مرد کی اتنی خوبصورت آنکھیں، اس نے
تو شاید تصور بھی نہیں کیا تھا شفاف چمکتا سنہری سی
دمک لیے گوارانگ، خوش وضع پیشانی، گھنے سیاہ بال،
لبی مژی ہوئی پلاں والی چعتائی آنکھیں، خوبصورت
کٹ والے بھرے بھرے لب وہ متین رہ گئی۔

شادی سے پہلے صرف ایک جھلک تصویر کی دیکھنے
کے بعد ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ بندہ اچھا خاصاخوش
شکل سے کل مہندی کی تقریب میں نازد کے بے حد
اصرار پر کھڑکی سے باہر جھانک کر اسے دیکھا تو پچ سچ
پنل سی ہو گئی۔

”یہ اتنا شاندار سا شخص اور نرمین باجی نے بھلا اس
کے ساتھ کیا کیا، کتنا ظلم ہے یہ۔“ لیکن تب بھی اتنی
دور سے اسے دیکھنے پر یہ اندازہ وہ نہ کر سکی کہ اس کا چہرہ
اس حد تک وجہہ ہے۔

کئی منٹ وہ ٹکنکی باندھے دیوار پر نصب تصویر کو
ٹکتی رہی، باہر سے آئی آذاؤں کے قریب آنے پر وہ
چونک گئی۔ اپنی بے ساختہ حرکت پر قدرے محظب سی
ہو کر اس نے سر جھکا لیا۔

”چل بھی نصیب! یہاں تک تو ہم نہ پہنچا ریا۔
آگے تیرا نصیب۔“ کسی مرد کی شوخ آواز سے اس کی
گھٹنوں پہ دھری انگلیاں کیپا لکیں۔

”نصیب پر بھروسار کھنے سے کیا حاصل، بندے کو
کچھ خود ہی حفاظتی اقدامات کرنے چاہیں یہ ویہواں
جیب میں ہائی بلڈ پریشر کی دوائے اور اس میں لوبلڈ پریشر
کی گولیاں، ملٹی وٹامن کا سیرپ بھی رکھ لیا ہے ماکہ اگر
دل کو کچھ ہو جائے تو دو ھونٹی کر حوصلہ کراؤ۔ آخر
لود شیڈنگ میں تیار کی گئی دلمن کا دیدار کرنا ہے دل گروہ
مضبوط ہونا چاہیے۔“

”ہائیس،“ اس کا لیجہ دھک سے رہ گیا۔ ”یہ خبر
کس نے نشر کی وہ شرمندگی سے مزید سر جھکا کے رہ
گئی۔

”اچھا اب زیادہ بک بک کرنے کی ضرورت
نہیں۔“ نرمین باجی نے اسے فٹا۔

تھا جب کہ وہ جانے سے قاصر تھی، یہ مذاق تھا یا خود پسندی کا سچیدہ مظاہرہ
”ارے تمگی تو نہیں مازے گئے یعنی میکنیکل فالٹ بھی ہے۔“

”اس کے ”بھی“ نے تو خوش نما کو جیسے آگ، ہی لگادی، چڑکریوں۔
”جی؟ کیا مطلب؟“

”چلو شکر ہے، اتنا اطمینان تو ہوا کہ آوازِ سلامت ہے یعنی بالکل اندھیر نہیں پڑا۔“ وہ سکون کی سانس لیتے ہوئے کہنے لگا۔

”اور آواز نہ صرف ہے، بلکہ خاصی مدھر اور دلنشیں سی بھی ہے۔“ اس نے بلاشبہ پچھلے آدھ کھٹے میں یہ پہلا جملہ اپنی نئی نویں دلمن کی تعریف میں کہا تھا۔ وہ شرماتے ہوئے دل، ہی دل میں مسروہ ہو، ہی رہی تھی کہ نصیب کا اگلا جملہ اسے سیدھا زمین پر پڑھ گیا۔

”اور کیوں نہ ہو، الیکی شکل و صورت والی خواتین کی آوازیں ہمیشہ ہی خوبصورت ہوتی ہیں، شاید خدا اس طرح، ہی ازالہ کر دیتا ہے جیسے لتا، رو بنا کیا، شازیہ منظور

جب اس کی زبان کو بیک گئی۔ خوشنما اس خاموشی کی وجہ جانے سے قاصر تھی۔
”یہ تمہاری رونمائی کا تحفہ۔“
”اس کی جھلی نگاہوں کے سامنے وہ بھاری گنگن لرا کر چکنکلتے۔ وہ گود میں دھرے ہاتھ مزید سیٹنا چاہتی تھی کہ اس نے اس کا ٹھنڈا برف پڑتا ہاتھ تھاما اور گنگن پہننا دیے، تتنی دیر وہ اس کے ہاتھ دیکھا رہا خوش نمانے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا۔

نازوکی کئی ٹوکنوں سے رچائی مہندی اس کے نیزک کو مل انگلیوں والے گندمی ہاتھ پر خوب اٹھی تھی۔ مہندی کی گھری سرخی والے بیتل بوٹوں سے سجا اس کا ہاتھ خاصا نکھرا نکھرالگ رہا تھا۔ بری کی طلائی چوڑیاں سیدھے ہاتھ میں ٹھی جب کہ اس کلائی میں کافی کی سنہری مینا کاری والی میرون چوڑیاں تھیں۔ ان کے آگے نصیب کے پہنائے گنگنوں نے جیسے پوری کلائی سجادہ الی تھی۔ پچھہ دری تو صیفی نظر دوں سے ریختہ رہنے کے بعد نصیب نے کہا۔

”اچھا دیر اُس نے بے ماں گنگنوں کا۔ یوں تو میں نے کبھی پہ خالص زنانہ شانگ نہیں کی پھر بھی دیکھا لو، کتنی اچھی چوالیس ہے میری۔“

وہ اس کی کلائی کو کسی بے جان چیز کی طرح اوھر اور گھما تا ہرزاویہ سے اپنے خریدے کے گنگتوں کا جائزہ لیتا رہا اور خوش نما کے دل کی آخری امید نے بھی پچکے سے ہار مان لی۔ ان ہاتھوں کے سوا اسے کبھی خود میں کوئی قابل ذکر چیز نظر نہ آئی تھی۔

”لاؤ اب سے میرا تحفہ؟“ اس نے اپنی چوڑی ہتھی پھیلائی۔ وہ بے ساختہ چونک کرائے دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر شراری سی مسکراہٹ دیکھ کر فوراً ہی دوبارہ جھک کر دیکھ سکی۔

”بھی، یہ رونمائی کا تحفہ ہوتا ہے تو پھر جیسے میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا ہے، تم بھی تو مجھے پہلی بار دیکھ رہی ہو۔ میری منہ دکھائی کی رسم بھی پوری ہوں چاہیے، جب تمہیں اتنے مہنے گنگن مل سکتے ہیں تو پھر ہمیں تو سونے میں قول دینا چاہیے کیوں؟“ وہ اتر اتر اکر کہہ زہا

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے معروف ناول

* دل پھولوں کی بستی ————— بجت عبد اللہ ————— 400/-
* جو پلے تو جہاں سے گز رکھے ————— تاما ملکہ ————— 150/-
* وہ جنطی سی دیوالی سی ————— آپ سلمہ رشی ————— 400/-
* طائرلا ہوتی ————— رفت سراج ————— 550/-
* ایمان امید اور محبت ————— میرا واحد ————— 180/-
* خواتین کا گھر ملیوان اسٹائل پریڈیا ————— 600/-

خوبصورت سو رق، افت پیپر، خوبصورت چھپائی دیو زین مفنبو جلد

شائع ہو گئے ہیں

مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار

شمول
ایجنت

لابیور میٹ:

- لاہور اکسڈمی، سلطان نیو زیجنی
- پریس اردو بازار، قہرہ
- عظیم اپنڈسترن، اسلامیہ کتب خانہ
- اردو بازار، قہرہ

راولپنڈی میٹ:

- اشرف بک ایجنسی
- سہی پرک، راولپنڈی
- مہرلان نیو زیجنی
- سید، آزاد

وغيرہ دیے کبھی بھی شکل اور آواز دنوں ہی سونے پر
سماں ہو جاتی ہیں جیسے نصیبو لعل،“
مرے مرے دل کے ساتھ وہ اس کے اڑائے لجے
کی لئے ترا نیاں سنتی رہی۔ لباس تبدیل کرنے سے قبل
اس نے ڈرینگ روم میں نصب قد آدم آئینے میں خود
کو جانچنا چاہا۔

”کیا میرے وجود میں کچھ بھی ایسا نہیں کہ وہ اپنی
ذات سے ہٹ کر ایک نظر مجھ پر بھی ڈال لیتا۔“

اس سوال نے اسے آئینے کے سامنے لاکھڑا کیا
ورنہ پسلے نازو کے اور اب رباب کے تیار کرنے کے
بعد باجی کے کہنے کے باوجود اس نے خود کو رکھنا گوارانہ
کیا تھا۔

بھاری میرون شرارے میں لمبوس، فل میک اپ
کے ساتھ وہ خود کو پہچان نہ پایا۔ چہرے کے اطراف
پہلے بھاری دلپت سے زر تار شرعاً میں پھوٹ کر
سانوں لے چہرے کو ایک جگہ ہٹ کی دے رہی تھیں۔
صحیح پیشالی پر میرون ٹکوں والا گولڈن ٹیکا، چھمٹوں کی
ناک میں انکی چاند کے بالے جیسی نازک سی نتھ لانی
گردن میں جزاً ٹکوں دنوں ہاتھوں میں بھر بھر پسندی
طلائی اور کانچ کی چوڑیاں اس کے دلہنے پے کو مکمل
کر رہی تھیں۔ اس نے ذرا قریب سے خود کو رکھنا
چاہا۔

”نه تو رونا لیلی کی سی سیاہ پکی رنگت سے نہ شازیہ
منظور والی گول شیشوں کی عینک نہ ہی تامنگیشکر کی
طرح چہرے پر چھپ کے نشان، پھر کیا سوچ کر اس نے
مجھے ”ایسی صورتوں“ میں شمار کیا۔ اگر اتنی لیسا پولی اور
مصنوعی چمک دمک کے ساروں کے ساتھ بھی میں
اسے ایک آنکھ نہیں بھائی تو پھر مجھے سمجھ جانا چاہیے
کہ کل صح منہ دھونے کے بعد میرے چہرے کے
میک اپ کے ساتھ ساتھ نصیب کی وقتو مروت بھی
بہہ جائے گی۔“

♥ ♥ ♥
”محترمہ خشک نمائی خشک نمائی۔“

اسے سوتا ہوا چھوڑ کر وہ ابھی واش روم گئی تھی۔

رات کو کلینیز گلک سے میک اپ صاف کر دینے
سے اسے کوئی خاص سلی نہ ہوئی تھی۔ اس وقت وہ
صباں کے جھاگ اڑاتے ہوئے رگڑ رگڑ کر چہرہ دھور، ہی
تھی کہ دروازہ دھڑ دھڑ پیٹنے کے ساتھ وہ خود بھی بلند
آواز میں اسے پکارنے لگا۔ گھبرا کر وہ تین چھپا کے
مارتے ہوئے اس نے چہرہ صاف کیا اور دروازہ ٹھوٹو
ڈیا۔ وہ سامنے کھڑا جمائی لے رہا تھا۔

”اتنی دیر سے میں ہیں؟ یہ تم شیو کر رہی
تھیں؟“ اس کے بے تک سوال پر خوش نما گڑ بڑا گئی،
پلٹ کر بیس کے اوپر لگے آئینے میں چہرہ دیکھا، جلدی
میں صحیح طرح پانی سے صاف نہ کرنے کی وجہ سے
اچھی خاصی جھاگ ٹھوڑی اور کانوں کے پاس لگی ہوئی
تھی۔ خجل سی ہو کر وہ دوپٹے کے ساتھ چہرہ رگڑنے
لگی۔

”وہ میں میک اپ صاف کر رہی تھی۔“

”دھور رہی تھیں یا کھرج رہی تھیں۔ خیر جو بھی کرنا
ہے ذرا جلدی کرو بھائی نے اعلان کر دیا ہے آج سے
مجھے اکیلے کو ناشتہ ہرگز نہیں ملے گا۔ اب تم ڈائنگ
ٹیبل کو رونق بخشنوگی تو مجھے غریب کو کچھ کھانے کو ملے
گا۔“

وہ بال سکھانے کے بعد دوپٹہ پھیلا کر کمرے سے
نکلنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ نہیں باجی آگئیں۔ ساتھ
ہی ایک ہستی مسکراتی خوش باش سے چہرے والی لڑکی
بھی تھی۔

”رباب! تم اسے جلدی سے تیار کر دو“ میں ذرا کچن
میں دیکھوں، ناشتہ کھاں تک پہنچا۔ اور ہاں وہ لائٹ
پنک سوٹ نکالنا، ساتھ میں کوئی لائٹ ساید۔“
غبلت میں اسے ہدایت دیتی وہ نیچے اتر گئیں۔ اس نے
پسندیدہ نظروں سے رباب کو دیکھا۔

”تو یہ ہے نصیب کی وہ خالہ زاد جس نے کل مجھے
تیار کیا، افسوس بے چاری کی محنت ضائع کئی۔“

کل باجی نے تعارف تو کروایا تھا مگر اس بنی خوش نما
اے دیکھنے پائی تھی، اب سارہ سے انداز میں مسکراتی
وہ لڑکی اسے پہلی ہی نظر میں اچھی لگی۔ رباب کی

میربن چوڑیاں اتار کے اس نے میچنگ کی چوڑیاں پہنائی چاہیں تو اس نے منع کر دیا۔
”بُری یہ کنگن ٹھیک ہیں۔“
”ارے یہ تو میں نے دیکھے، ہی نہیں، اچھا اچھا۔
نصیب بھائی کا تحفہ ہو گا۔ ہاں بھی، اب آپ کو کچھ اور کہاں بچھ جان کلان کلائیوں میں۔“

سفید نگوں والی جھمکیاں، گلے میں نانو کی دی گئی چین پہن کروہ اٹھ کھڑی ہوتی۔ ڈائیگنگ روم میں اس نے سب کو فردا ”فردا“ سلام کیا۔ حسیب بھائی، بچے، ابا جی اور نانو سمیت سب، ہی موجود تھے۔ نصیب کی خالہ یعنی رباب کی امی آنثی نور حماں بھی تھیں۔

”ماشاء اللہ، دلہن ہے روپ تو بڑا چڑھا ہے۔“

وہ حیرت سے آنثی کو دیکھنے لگی۔ یہ ماں بیٹی کو دوسروں کا مل رکھنے کی عادت ہے یا پھر ان دونوں کا معیار حسن، ہی اتنا کمزور سا ہے۔“

”شکر ہے، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے، تم آگئیں۔“
دوسرے دروازے سے اندر آتے نصیب نے والہانہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”سو چکر لگا چکا ہوں تمہارے انتظار میں یہاں سے ڈیاں تک لیکن تمہیں شاید آتش شوق بھڑکانے میں مزا آتا ہے۔“ اس کے بے باک انداز پر وہ جھینپ گئی۔

”اب تمہیں دیکھا ہے تو جان میں جان آئی ہے، محلتے دل کو قرار ملا ہے۔“ اس نے سپٹا کر اپا جی اور نانو کو دیکھا پھر اسے۔ (تنہائی میں تو اپنے سوا کچھ نظر، ہی نہیں آتا، اب اتنے لوگوں میں کس لیے کھلم کھلا بے تاب دکھار ہے ہیں۔)

”شکر ہے اب ناشتہ تو ملے گا۔ بھائی! آگئیں آپ کی دیوار انی، خدا کا واسطہ ہے اب تو کچھ کھانے کو دے دیں۔“ اگلے ہی لمحے اس کی بے تابی کی وجہ سامنے آگئی۔ اپنی خوش نہمیوں کو زور سے ڈپٹ کر کونے لگانے کے بعد وہ چپ چاپ سلاس کترنے لگی۔

ناشتے کے بعد سب اسے گھیر کر بیٹھ گئے۔
”خالہ! آپ مجھے تو جانتی ہی ہیں ناں؟“ جگنو نے

آنکھوں میں بھی اس کے لیے پسندیدگی تھی۔

”واو بھا بھی! آپ کی اسکن کتنی فریش اور لائیو ہے۔ کتنی شائن ہے آپ کے بالوں میں، بچ کموں رات سے زیادہ آپ اس وقت اچھی لگ رہی ہیں۔“
اس کی پہنی کھول کر اس نے شانوں تک آتے ہلکے گھنکھریا لے بال پھیلائیے۔

”ایے زیارت بچ رہے ہیں۔ اور میک اپ سے تو آپ کی اسکن کی ساری خوبصورتی، ہی چھپ جاتی ہے بس یہ مسکارا اور یہ لائسٹ پنک لپ اسٹک، ہی ٹھیک ہے۔“ اس نے جارجٹ کے سبز کڑھائی والے سوت سے ہم رنگ لپ اسٹک نکالی تو خوش نما گھبرا گئی۔

”نه نہ نہیں یہ کھر نہیں۔ اتنے لائسٹ شیڈ کی لپ اسٹک سے میرا رنگ دباد بالے گا۔“

”ایویں، ہی میں باقاعدہ بیویشن ہوں جناب،“ چہرے اور رنگت کے حساب سے، ہی میک اپ کرتی ہوں، تیز رنگوں کی ضرورت پھیکے کو پلیکش والی لڑکیوں کو ہوتی ہے کیونکہ زیادہ سفید رنگت ملکے میک اپ کے ساتھ اڑی اڑی سی لگنے لگتی ہے۔“

اس کے انکار کو کسی غاطر میں نہ لاستے ہوئے وہ اپنا کام کرتی رہی۔ آنکھوں کو بلیک لائن اور مسکارے سے نمایاں کر کے، ابوں پہ ایک تہہ گلوری شائن والی لپ اسٹک کی لگائی، تھوڑے سے فیں پاؤ ڈر کے پف کے ساتھ میک اپ مکمل ہوا۔

”یہ تجھے نہ چہرے کی رنگت یکسان دکھانے کے لیے فاؤنڈیشن لگانا رہا ہے، ہی جھمایاں، جلقے چھیانے کے لیے کنسیلر استعمال کرنا رہا ہے، ہی مصنوعی چمک کے لیے ہائی لائٹر ضائع کرنا رہا۔“ خوش نما ہولے سے مسکرا دی۔

اسے رباب کا یہ تعریفی تبصرہ سراسر و فیشنل عادت محسوس ہوا۔ (شاید سب، ہی بیویشنز اپنی کلائنس کی تعریفوں میں یونہی نہیں آسمان کے قلابے ملائی ہیں۔ ورنہ ایسی ہی بات ہوتی تو رات کو بھی تو اس نے تیار کیا تھا مجھے۔ نصیب کو کیوں نہ نظر آئی پہ چمک۔ یہ تازگی) وہ بے ولی سے اس کی بقا یا کارروائی دیکھتی رہی۔

تصدیق چاہتی۔

”یہ اب تمہاری خالہ نہیں، چمی ہیں۔“ باجی نے

اطلاع دی۔

”تو پھر خالہ کہاں گئیں؟“ ببل بچنے لگی۔

”میں نے کھالیا۔“ نصیب نے اطمینان سے کہا۔

”ہٹورے جی سارے یہی“ ایک موٹی تازی سانوںی سی نو عمر لڑکی جو یقیناً ملازمہ تھی آگے بڑھی۔

”پہلاں، میرا تارف (تعارف) کراو باجی ہوراں سے میرا یہم ختم ہونے والا ہے۔“

”تم تو ایسے کہہ رہی ہو من و من! جیسے دنیا میں تمہارا وقت تمام ہو چکا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ تمہاری باجی ہوراں نہیں بھالی ہوراں ہیں اگر تمہارے دلی جذبات کو کوئی شخص نہ پہنچتی ہو تو میں“ نصیب نے لمحج کی۔

”کیا جی! اس کو کیا نہ پہنچتی ہو؟ میں کیوں نہ بھالی کھول گی۔ سوسواری کھول گی۔“ الفاظ اس کے سر پر سے گزرا گئے تھے لیکن بات بھر حال سمجھ میں آگئی تھی۔

”سو سو رفعہ کرنے سے کیا تمہیں زیادہ تنخواہ مل جائے گی۔ کیا اور ٹائم لگانے کا کاروہ ہے؟“

”نہیں تھے نال کسی میں آپے بتاتی ہوں پا بھالی جی کو، میں نال جی انجمن ہوں انجمن، الی کسی کھی جب سے یہاں کام کر رہی ہوں۔“ اس نے انگوٹھے اور انگشت شہادت سے اپنی بھر کا اشارا کیا۔ سب کے ساتھ ساتھ اسے بھی ہنسی آگئی البتہ نصیب نے نوک دیا۔

”خدا کا خوف کرو من و من! الی سی تو تم کبھی بھی نہیں رہیں۔ ہاں اتنی ضرور تھی جب ہمارے گھر آنا شروع ہو میں۔ اس نے تین سالہ ببل کی طرف اشارا کیا۔

”اور یہ بھی جھوٹ ہے کہ تم تب سے یہاں کام کر رہی ہو۔ تب تمہاری اماں یہاں صفائی کرتی تھیں اور تم صفائیا سے فرنج سے پچن سے...“

”بھالی! آپ کا نام (نام) بوت سوہناء ہے۔ مجھے اپنا نال پسند نہیں۔ دراصل میری بے بے کو سلطان را، ہی بہت پسند تھا وہ کہتی تھی پتھرواتوناں سلطان را، ہی رکھوں گی پر اس کو نزدیکیاں ہی ہو میں۔ چو تھی واری میں ہوئی تو اس نے چڑکر میرا نال انجمن رکھ دیا کہ شاید میرے نال کے پچھے سلطان را، ہی بھی آجائے پر نال جی۔“ وہ تیل سے بھرا برا سا سرہلانے لگی۔

”یہ جو نصیب پائی جان ہیں، ہر کے کا نال و گاڑتے ہیں۔ مجھے انجمن نہیں من و من کہتے سے۔ بو بے کو تباکتے ہیں۔ ریاب باجی کو کتاب، منظر گوبندر، وڈی بھالی ہوراں کو ٹھنکیں بھالی کہتے ہیں پر آپ کا نال کیسے دگاڑیں گے؟“ اتنا پا رانال۔

”خشک نہیں۔“

صحیح اپنی رو میں اس نے توجہ نہ دی تھی، آپ ساری بات سمجھ میں آگئی اور اس سے اس رعایت کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ سب کے سامنے اس فضول سے نام سے پکارنے سے پہنچ کرے گا۔

”بیلواب ہٹو بھی، جم کے ہی بیٹھ گئی ہو۔ جاؤ وہ دھیر بر تنوں کا وہ وہ۔“ خالہ نور جہاں نے اسے ہٹانا چاہا۔

”میٹھے رہنے والی نال ملکہ تر نہیں آپ کا کیا لیتی ہے بچپاری۔“ نصیب نے اس کی سائیڈی پھر پیٹ کر دوسرے کام کو آواز دی۔

”ہاں بھائی محبوب! اعرف بوب اعرف کہا! تم کیوں دور کھڑے شرم اشرا کر شیم آرا بننے کی کوشش کر رہے ہو، آگے آؤ، کہیں تمہارے دل میں کوئی حضرت نہ رہ جائے تعارف کی۔“ سخنی سا بوب اشرا کتے لجاتے آگے بڑھا اور منہناتی آواز میں سلام کر کے پیٹ گیا۔

”بھالی جی! یہ کڑے پائی جان نے دیے ہیں۔ میں صدقے کرنے اچھے ہیں۔“

”بو بے! ذرا اس من و من کو پھٹلے خالی پلاٹ میں پھینک آؤ۔“ نصیب کے آرڈر پر وہ ٹنگنوں کی تعریف کرنا بھول گئی۔

”ہائے ہائے کیوں خیری صلا۔“

ریشمی تہندے سے صاف کر کے اب کوئی غم نہیں۔
کیونکہ صفا چٹ دُر جنت میرے میلے کچھے شوہز کے
غایظ کپڑوں کے ساتھ ساتھ کالی بھنگ پتھروں کی۔
کالک بھی صاف کر دالتا ہے۔ ڈنگ ڈانگ۔ خوب
یاد دلایا خالہ! آپ نے بالکل ملتی ہے شکل۔“

وہ اتنے سارے لوگوں کے ٹھقموں کے جواب میں
لب کچلتی رہی۔ دل تو چاہ رہا تھا۔ ابھی اور اسی وقت
محفل سے اٹھ کے چلی جائے لیکن۔ کیسے کس
برتے ہو وہ اتنا طنطنه دکھاتی، نانو شاید اس کی کیفیت
بھانپ چکنیں۔ باجی کو اشارا کیا کہ وہ اسے کمرے میں
لے جائیں۔ وہاں سے نکلتے ہوئے اس نے نانو کو
نصیب سمیت سب کھی کرنے والوں کو ڈاٹھتے۔
”ہم تو بس یونہی بنس پڑے نانو! نصیب بھائی نے
بات ہی ایسی کی۔“ رباب دبے دبے انداز میں بولی۔
”یہ تو ہے ہی بد تمیز۔“

”کمال ہے، ذرا سانداق ہی تو کیا ہے۔“
”بھنسی مذاق کا بھی کوئی وقت ہوتا ہے، موقع محل
ہوتا ہے۔ یہ تو نیک ہو، اس کی پہلی صبح ہے اس گھر میں،
گھلتے ملتے پچھو دن لگیں گے۔ رفتہ رفتہ تمہارے
اوٹنے بونگے مذاق کی بھی عادی ہو جائے گی۔ ابھی پچھو
دن تو بخش دو۔ لے کر درگست بنا کر رکھ دی بیچاری بھی
کی۔“

”مجھے کیا ضرورت بنانے کی۔ محترمہ“ ریڈی مید۔“
ہیں۔“ باجی کے دروازہ بند کر کے واپس پہنچنے تک وہ
نصیب کا یہ جملہ بھی سن چکی تھی۔ جو اس کے
آنسوؤں کے بند توڑنے میں خاصاً دگار ثابت ہوا
تھا۔

◆ ◆ ◆

یہ رونا، سکنا، اس کے لیے نئی بات تو نہیں تھی۔
فرق صرف اتنا پڑا تھا کہ پہلے ہر چوٹ پر وہ اماں کی گود
میں منہ چھپیا کے رویا کرتی تھی۔ جب اماں نہ رہیں،
کوئی اس کے اشک پوچھنے والا بھی نہ رہا۔ پھر بخانے
کیسے نہیں باجی آگے بڑھیں۔ اسے امید کا اک جگنو
تھامایا اگرچہ وہ خوش فہم تو کبھی بھی نہ رہی تھی لیکن بندہ

”خود ہی تو کہہ رہی ہو میں صدقے اور صدقے کی
چیزیں کوئی گھر میں تو رکھتا نہیں، باہر پھینکتے ہیں۔“
”آپ بھی نال پالی جان ہر دلیلے تحول (مذاق) ہی
کرتے رہتے ہیں۔ ہاں بجا بھی جی میں کہہ رہی ہی یہ
جو کڑے ہیں بالکل دیسے ہی ہیں جیسے صیحہ (صائمہ)
نے فلم میں پنے تھے اور وہ گانا تھا۔

محل سن دے جن دیا کنگا
چونڈی دُڑ (چنکی بھر کے) کر مینوں تک نا
بھال جیا یہ بھی چونڈی تو نہیں دُڑتے؟
”دنہنیں لیکن پالی جان زیادہ بگ بک کرنے والوں کی
”تو ن دُڑتے“ (گردن کاٹتے) ہیں۔“ اس بار اس کے
دھمکانے سے وہ بچ مجذور کے بھاگ گئی۔
”بیٹی! تم تو پچھہ بولتیں ہی نہیں، کب سے ایسے
چپ چاپ بیٹھی ہو۔“ نانو نے پیار سے اسے مخاطب
کیا۔

”بھال کی آنکھیں جو بولتی ہیں، انہیں کیا ضرورت
سے الفاظ ضائع کرنے کی۔“ یہ رباب کی رائے تھی۔
”قسم سے اتنی پیاری آنکھیں۔“
”کمال ہیں؟ کمال ہیں؟“ نصیب اخبار چھوڑ
چھاڑاں کے قریب آبیٹھا وہ گھیرا اٹھی۔
”کمال ہیں؟ مجھے بھی دکھاؤ۔“ اچھا وہی اچھا وہی
رہیں۔“ وہ کو لمبا کھینچتا ہوا وہ آنکھیں سکوڑ کر اس کے
چہرے پر کچھ ڈھونڈنے کی ایکسٹنگ کرنے لگا۔ باجی نے
ایک دھپ پیچھے سے اس کی کرپہ لگائی۔
”منو شکنی دُڑا مے بازی ایکٹرے پورا۔“
”مجھے تو لگ رہا ہے دامن کی شکل کسی ایکٹریں سے
ملتی ہے۔ نہیں نہیں۔ ایکٹریں سے نہیں ماذل
سے۔“ خالہ نور جہاں نے نیاشوشه چھوڑا۔“ وہ کس
اشتہار میں آتی ہے بھلا؟“

”دُڑ جنت کے اشتہار میں۔“ جواب نصیب نے
دیا۔ ”وہی نال خالہ جو بڑی مسرت کے ساتھ اعلان
کرتی ہے کہ اب اس کا شوہر چاہے نہماری کھا کر پیٹیٹ
کرتے کے دامن سے پوچھے، چاہے گولہ گنڈا قیص
کے گلے پر گردالے، چاہے سائیکل کی گریس نئے

امہائے اسکول جاتے دیکھتیں تو فرش پر بیٹھی ناکارہ اور فضول کی چیزوں کے ساتھ ہیلتی بیٹی کے سامنے اپنا وجود مجرم لگنے لگتا۔

اس کے کھلونے ایسے ہی ہوتے تھے۔ پیشہ ختم ہوئے سیل، بسکٹ کے خالی ڈبے، بال پوائنٹ کے دھکن، بولیوں کے دھکن۔ ایسا ہی عجیب ساحلیہ بھی ہوتا، شماں کے پرانے فرائک جو اس کے مخنوں تک آتے، کبھی رینا کی شلوار جو گھنٹوں سے ذرا ہی نیچے ہوتی، نوید کی گھسی ہوئی نیکریں۔

انہی دونوں اماں کی پچازاد بہن کویت سے مستقلًا لاہور منتقل ہو گئیں۔ ان کے لیے توجیہے ہارون اور سجاد بھائی دیے ہی خوش بخت بہن، بچپن میں اور لڑکپن میں خاصی دوستی بھی رہی دونوں میں پھر شادی کے بعد وہ کویت اور یہ پہلے سرال اور اب اس جنم کدھ میں آکر بس گئیں۔ تاجوران کے حالات جان کر اور سب سے بڑھ کر خود ان کی کم ہمتی دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ سخت سنت ناتھے ہوئے انہیں شرم دلائی۔

”وہ تو فرعون بنے بیٹھے ہیں، سگے سوتیلے میں الجھ کر یہ فراموش کر بیٹھے ہیں کہ خون تو تم میں بھی اسی باپ کا ہے جس کا نام ان کے ناموں کے آگے لگا ہے۔ شوہر بھی تمہارا بے غیرت نکلا جو بیوی کے ساتھ ساتھ معصوم بھی کو بھی گھر سے باہر نکال دیا۔ لیکن میں پوچھتی ہوں تمہاری اپنی ممتاز کی؟ کس قدر سکون سے تم اپنی اکلوتی اولاد کو حلتے دیکھ رہی ہو۔ ذرا اس کا حال تو یہ ہوئے ساتھا باپ مر جائے تو اولاد پلی ہی جاتی ہے۔ مارے توڑل جاتی ہے۔ مجھے لگتا ہے تم مرچھی ہو۔ تمہارا ہر احساس، ہر زمہ داری مرچھی ہے۔ باپ، شوہر اور بھائی کے بعد دنیا حتم تو نہیں ہو جاتی۔ تم چاہو تو خود اپنی بیٹی کی ڈھال بن سکتی ہو۔“

”ذمیں کیا کروں، اکیلی عورت بڑی کمزور ہوتی ہے، اس نے بھی کل کو جوان ہوتا ہے کہاں خوار کرتی پھر کیا کہ مانو سرپر رکھی چھت تک اڑنے لگی۔ بوکھلا کروہ فوراً“ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے توبہ کرنے لگیں

”میں نے کب کہا کہ تم یہاں سے نکلو، یہ تمہارے باپ کا گھر ہے تمہارا پورا حق ہے کس کی ہمت جو

بہر تو تھی، سوول کے کسی کوئے میں ڈرتے جھجکتے ذرا سی امید بھی روشن کر بیٹھی اب نصیب کارویہ اس آخری امید کا بھی قابل ثابت ہوا، اس لیے آج اس کے روئے میں عجیب ہی مل شکستگی اور بے بسی بھی۔ ہوش سنجا لتے ہی اس نے خود کو اماں کے ساتھ ماموؤں کے درپیڑا رکھا، اور ماموں بھی سوتیلے، سگے بھائی بھی شاید ہی کشاورہ دل سے کسی مطاقتہ بہن کو عمر بھر کے لیے سرسر سوار کرتے ہوں اور یہاں تو سوتیلے میں کی رعایت بھی تھی لیکن۔ دنیا، دنیاداری بھی تو کوئی چیز ہے آخر بھی تو بہن۔

طلاق کے بعد بھی سمیت شوہرنے تو گھر سے نکال دیا۔ بھائی کیسے نکلتے، آخر اسی دنیا میں رہنا ہے، اسی خاندان میں بننا ہے۔ سوسو باتیں سنتے کے بھائے بستر تھا کسی نہ کسی طرح دل پہ جبر کرتے ہوئے گھر کے کسی کوئے میں ڈال لیا جائے۔ دنیا والوں کی زبان تو بند ہو گی۔ گھر کی چار دیواری کے اندر بھلے ہی ٹھوکروں کی زدہ رکھیں، جھوٹے برتن چٹائیں، اس بات کی دنیا کو فکر نہیں۔ اب کوئی سوال نہ کرنے آئے گا۔ النا و اہدا وہ ہی ہو گی۔ یہ سوچ کر دونوں ماموں، بہن کو لے ہی آئے یہویوں کو بھی سمجھا جائے (خاصی شرطوں کے ساتھ) اور ہر ہر شرط ممانتیوں نے اپنے پورے مفاد میں رکھی۔

سرپر چھت دینے اور رو وقت کی روٹی (کیسی بھی) کے علاوہ کسی چیز کی زمہ داری نہیں۔ اتنی مربالی ضرور کی کہ شرط سے اکراف کرتے ہوئے اپنی اور بچوں کی اترن بھی عنایت کر دی جاتی۔ جس نے اماں کو خوش گمانیوں میں بیٹلا کر دیا وہ مجھنے لگیں کہ شاید شرائط میں بچ کی کنجائش ہے۔ اسی برتنے پہ خوش نمائے پانچ سال کا ہونے کے بعد بھائیوں سے اسے اسکول داخل کر دینے کی فرماش کر بیٹھیں۔ اس قدر بھوچمال آیا کہ مانو سرپر رکھی چھت تک اڑنے لگی۔ بوکھلا کروہ فوراً“ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے توبہ کرنے لگیں لیکن دل کو کیسے مارتیں، بھائیوں کے بچوں کو روز صبح صاف تھرے یونیفارم میں چمکتے شووز کے ساتھ بیگ

سے تعلق رکھنے والے، جیسے باب اور حسین و جیل سی ماں کے ہوتے ہوئے بھی انہوں نے نجات کرنے کے نقش لیے تھے۔ نگ پیشانی، قریب قریب چھوٹی اندر کو دھنسی بٹن نما آنکھیں، مایہر کو نگئے دانت جن کی وجہ سے دہانہ بھی پھیلا پھیلا سا لگتا۔ مولیٰ بیٹھی ہوئی ناک اور ٹھوڑی پہ بدنما سما مسہ، شکل سے ہی وہ کرخت سی بد مزاج عورت نظر آتیں لیکن یہ تو ان کو قریب سے جانے والے جانتے تھے کہ اس پدھیت اور بے شش وجود میں کس قدر حسین فطرت چھپی ہوئی ہے۔ خوش نما کو اماں سارے جمال سے پیاری لگتیں پھر بھی وہ یہ سوچتی ضرور۔

اماں کا رنگ تو صاف، ہی ہے بدن بھی دلائل پلا ہے۔ اگر آنکھیں، ناک اور ہونٹ بھی خوبصورت نہ سی مناسب، ہی ہوتے تو اماں کتنی اچھی لگتیں، یہ دانت بھی ٹھیک ہو سکتے تھے اور مسہ بھی غائب کرو اور یا جاسکتا تھا اس کے اپنے نقش اپنی اپنی جگہ مناسب و موزوں تھے لیکن قسمت کے رنگ اس نے باب کالیا، سانوالی۔ جس کو کی وجہ سے ماموؤں کے گورے چٹے موٹے تازے کشمیری بچوں کے درمیان وہ سیاہ دھیٹہ محسوس ہوتی۔ سب اسے کلوکہ کر پا رتے جیسے جیسے اس کا نہ رکھا گیا۔ رنگ صاف ہو گیا۔

نقوش کی اکتشیل مزید کھل کے سامنے آگئی۔ سراپا بھی بڑا سبک سا تھا لیکن اماں کے حوالے سے شکل و صورت کا یہ کامپلیکس اس کے دماغ سے نکلنے سکا۔ کالج جانے کے بعد بھی یہی حال رہا۔ فرند زاکٹر کہتیں۔

”ہائے خوش نما! تمہارے ہاتھ کتنے پیارے ہیں نازک نازک سے۔“

”یا! تمہاری اسکن بہت ملائم ہے، کیا لگاتی ہو۔۔۔ یا پھر۔۔۔“

”یہ کلراچھالگ رہا ہے تم پہ۔۔۔ لیکن یہ کوئی نہ کہتا یہ خوش نما! تم کتنی خوبصورت ہو، تم ہر رنگ میں اچھی لگتی ہو۔۔۔“

اور کیوں کرتا، کالج میں ایک سے ایک حسین لڑکی

تمہیں یہاں سے نکالے میرا مطلب یہ ہے کہ تم خود کچھ ہاتھ پیر لدا کے اینی بچی یا لو بغيرا چھپی خوراں، لباس اور سب سے بڑھ کر تعلیم کے بغیر اسے پال کر تم اس پر کیا احسان کرو گی۔“

بات تو خوش بخت کے دماغ میں آگئی لیکن راستہ نہ تجوہی دیا۔ تعلیم ایسی خاص نہ تھی، ملازمت کرنے سکتی تھیں، برتن مانجھنے پر بھی راضی تھیں۔ لیکن بھائیوں کی غیرت اور خاندان کی عزت آڑے آتی تھی۔ یہاں بھی تاجور نے مدد کی۔ وہ اپنا بوتیک شروع کر رہی تھیں جانتی تھیں کہ خوش بخت سلامی جاتی ہیں، اس لیے اپنے کمی آرڈر دے ڈالے اتنے سالوں تک بھائیوں اور ان کے بچوں کے لیے ڈھیرپوں ڈھیر کپڑے سی سی کراب ہاتھ میں اور صفائی آپکی تھی۔

کئی بار سوچا کہ اگر بھائیاں تھوڑی بست اجرت و سے دیا کریں تو سہ لیکن کہنے کی ہمت نہ کی، اشارے کنائے سے محلے کے گھروں کے کپڑے سینے کی اجازت ضرور طلب کی جسے خاصے غنیض و غضب کے مظاہرے کے بعد رد کر دیا گیا۔ تاجور کی مدد خاصی امید افراد تھی۔

خوش نما کی تربیت میں بھی برققت تبدیلی آگئی، اسکوں جانے اور مال کے خود مختار ہونے کے احساس نے اسے اعتقاد بخشنا شروع کر دیا۔ اب کٹ پیس سے بھی سی مگر اماں اس کے لیے نئے کپڑے سیتی تھیں۔ سے ہی سی مگر کھلونے ہوتے تو تھے الگش میڈیم اسکوں میں وین میں بیٹھ کر بھلنے جاتی تھی لیکن پیدل چل کر سرکاری اسکوں میں بھی اس نے تعلیم و ذہنات کے وہ ریکارڈ قائم کیے جو ماموؤں کی اولادیں کئی سولیات ہونے کے بعد بھی حاصل نہ کیا میں لیکن ایک احساس سے وہ نیحات حاصل نہ کپائی تھی۔ اور وہ نہ باب سے محرومی تھی اور نہ اس کے حوالے سے اماں کو ملنے والی ذلت، کوئی اولادی وجہ سے بیوی چھوڑتا ہے، کوئی دوسری عورت کے چکر میں پڑ کے کوئی جیز کے لائق میں۔

اس کی اماں کا قصور کم صورتی تھا۔ کشمیری خاندان

رشتے سے بہن لگتی ہو۔ میں جب تک ہوں، چاہے کس دل سے بھی سکی وہ تمہیں برواشت تو کر لیں گے لیکن میرے بعد ذرا سوجو کیا تم وہ زندگی گزارنا چاہوگی جو خوش بخت ہے۔“

”نهیں لیکن آئی! اس بات کی کیا گارنٹی کے کہ میری شادی کے بعد زندگی بست آسان ہو جائے گی، اس کھر میں میرے لیے خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی۔“

”کوئی گارنٹی نہیں۔“ آئی نے صاف گوئی سے کہا۔ ”لیکن امید تو ہے، یہاں تو یہ بھی نہیں۔ اور پھر وہاں عزت بھی ہوگی جو یہاں معصوم ہے۔ کل کلاں کو کوئی بھی بھو تو تمہارے یعنی ایک جوان جہاں غیر لڑکی کے یہاں رہنے پر اعتراض کر سکتی ہے جو تمہارے لیے ذلت کا باعث ہو گا اور پھر سو فیصد نہ سکی۔ اتنی گارنٹی تو میں وے سکتی ہوں کہ تمہیں وہاں عزت ملے گی۔ آخر میری اپنی بیٹی کی سرال ہے۔ سالوں سے جانتی ہوں اگر تمہیں میرے خلوص پر شبہ ہے تو یہ سوچو جہاں اپنی بیٹی دے سکتی ہوں وہ غلط جگہ تو نہیں ہو گی۔“

”نهیں آئی سے! آپ کے خلوص پر مجھے کوئی شک نہیں۔ لعل سے لیکن نہ میں باجی تو اکثر میرا مطلب ہے اپنے سرال۔“

”ہاں وہ۔“ انہوں نے تاسف سے سرالا یا۔“ تم میں اور نہیں میں بست فرق ہے یہاں۔ اس نے ہتھی کا چھالہ بن کر زندگی گزاری ہے لیکن چھالے کی جلن کیا ہوتی ہے وہ نہیں جانتی۔ اس کی ساس اللہ بخشے ذرا مزاج دار خاتون ہیں۔ سخت مزاج بھی تھیں لیکن وہی نہیں جیسی کہ نہ میں بتایا کرتی ہی۔ ساس بہرحال ساں ہی ہوتی ہے۔ ایسی ایسی جلاد فطرت سا میں ہوتی ہیں کہ توبہ ہی بھلی۔ اچھے مزاج کی ساس کی بھی چند ایک پانیں چھپتی ہیں۔ لیکن نہ میں ذرا جلدی بھڑک جاتی ہی، یا تو سب تو ٹھیک ہیں۔ شوہر بھی شریف بندہ ہے، اس لیے زیر عتاب آیا رہتا ہے۔ خیر اب تو وہ گزر گئیں۔ سارا اگر نہ میں کے کاندھوں پر

موجود تھی۔ کسی کے بال گھٹاؤں جیسے تھے تو رنگ میں گلابیاں گھولنے میں بھی قدرت نے فیاضی سے کام لیا تھا۔ کسی کے لب یا قوتی تھے تو نیم سی آنکھیں اور چار چاند لگاتیں، جب کہ وہ بس ٹھیک ہی تھی۔

تاجر آئی کا پاکستان آنا شاید اس کے لیے غیبی امداد تھی، اماں کے گزر جانے کے بعد بلاشبہ وہ بے حد اکسلی رہ گئی تھی لیکن پھر بھی یہ سوچ کر لرز جاتی کہ اگر خدا نخواست تاجر آئی نے اماں کی ہمت نہ بندھائی ہوتی تو آج اماں کے بعد ماموں کے گھر کی باور جن اور جعد ارنی وہ ہوتی۔

اماں جاتے جاتے اسے تعلیم کی مضبوطی عطا کر گئی تھیں۔ ان کی انہکھ محنت نے اسے ایم اے کرو ابھی پہنچتا ہا لیکن افسوس رزلٹ آئنے سے پہنچے ہی اماں گزر گئیں۔ بہن کو تو پھر بھی کسی نہ کسی طرح برواشت کر لیا تھا لیکن اس کی یہ بیٹی سراسر ناکارہ وجود تھی۔ جو نہ تو مفت میں کشرے ہی سکتی تھی نہ ہی درجنوں افراد کے لیے روٹیاں پکا سکتی تھی۔

یہاں بھی تاجر آئی کام آئیں وہ اسے اپنے ساتھ لے آئی۔ تسلی دینے میں انہیں کمال حاصل تھا روتی ملکتی خوش نہماں کو چند دنوں میں اس حالت تکسا تو وہ لے آئیں کہ وہ اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں سوچنے کے قابل ہو گئی۔ اس کا راز وہ تھا کہ رزلٹ آئے کے بعد وہ کوئی جاپ کر لے گی۔ چاہے کم تشوہ وہ والی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا خرچہ ہی کتنا تھا انہیں وہ یہ پانگ کر ہی رہی تھی کہ تاجر آئی کی بڑی بیٹی نہیں باجی نے دھماکا کر دیا۔

وہ ماں سے بڑھ کے فلاحتی منصوبہ لا ائیں۔ اپنے اکلوتے اور کماڈیور کا رشتہ ٹیکیں و مسکینی پرے آسراں خوشنما کے لیے لا کر، وہ ہر گز تیار نہ ہوئی لیکن تاجر آئی کی ایک ہی بات نے اسے تھکا کر ایک طرف بٹھاوا۔

”بیٹا! میں بھی بھوؤں والی ہوں، تمہاری ماں تمہارے ماموؤں کی سکی بہن نہ تھی، اس لیے تم اس کا حال دیکھ چکی ہو، تم بھی میرے بیٹوں کی دور پرے کے

نہ میں باجی سے وہ بخوبی واقف تھی قدرے لارپوا کام۔ چور اور ناشکری سی ضرور تھیں لیکن آخر کو تا جور آئی تھیں جی بیٹی تھیں، خود غرض اور منصوبہ ساز ہرگز نہیں تھیں اس لیے اس بات پر تو اسے یقین نہ آپا کہ وہ اسے بے دام کی ملازمت بنانے کی خاطر دیواری کے روپ میں لیے جا رہی ہیں۔ البتہ خدا ترسی بیچارگی اور ثواب کمانے والی بات ہمیں دماغ کے اندر انک کے رہ گئی۔

”باجی پلیز! میرے ساتھ یہ ظلم مت کریں، آپ اور آئی میرے اپنے ہیں۔ آپ کے سو احسان میں جی حان سے اپنے سر لے سکتی ہوں لیکن غرروں کے آگے مجھے ہلاکت گریں۔ مجھے سے ساری عمر کسی کے آگے احسان مندی سے سر جھکا کے نہیں جیا جائے گا، اس احسان کے ساتھ کہ مجھے میری اوقات سے بڑھ کے نوازا گیا۔ میں نہیں چاہتی، مجھ پر ترس کھا کر بحال تر مجبوری کوئی مجھے اپنا سکے۔“

”پلی! تم کن چکروں میں پڑ گئی ہو، کون کھارہا ہے تم پر ترس، ارے، ہم سب پورے ارمانوں کے ساتھ ہمیں اپنا بنا رہے ہیں۔“

”مجھے بنائیے مت باجی! میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ آج تک لوگوں نے اپنی بھوؤں کے لیے کیا معیار بنا رکھے ہیں۔ میں کم از کم آپ کی سرال کے معیار کے مطابق تو نہیں ہوں، نہ باب نہ بھائی نہ جائیداد نہ جیزیز۔“

”میں صرف تمہاری ضرورت ہے۔“

”ہاں! ایسی ہی حور پری ہوں ناں میں۔“ وہ چڑ کے اٹھ گئی، کسی سے اپنی بات منوانے کی پوزیشن میں ہی نہ تھی۔ آئی نے اس دن خدشہ بھی تو ایسا ظاہر کیا تھا، تاچار آنسو بھاتی مایوں بھی بیٹھ گئی۔

نہ میں باجی کی سرال (اور اب اس کی بھی) جملہ میں تھی۔ بارات لے کر انہیں لاہور تو آنا، ہی تھا۔ باجی کے مشورے پر مہندی کی تقریب مشترکہ کر لی گئی تاکہ آنے جانے کے وقت کی بچت ہو، سب لوگ مہندی والے دن، ہی لاہور پہنچ گئے۔ لاہور میں ان کے قربی

ہے سب نے خوشی خوشی اس کی حکمرانی قبول کی ہے۔ تمہاری بات اور ہے، تم میں صبر و برداشت زیادہ ہے۔ اب تو تمہاری کوئی ساس نہ ہو گی لیکن اگر وہ زندہ ہوئیں تو بھی تمہاری مزے سے بھجو جاتی۔“

وہ یہ سن کر چپ کر گئی۔ اس کی چپ کو رضامندی جانتے ہوئے آئی نے ان لوگوں کو مثبت جواب دے دیا، شادی کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ خاندان میں خبر پھیل کر شادی کے دو سرے سال گھر سے طلاق کا یہیں لگا کر نکالی جانے والی خوش بخت کی وہ بُنی جسے اس نے سلامی کر کر کے ملا ہے اور جسے ماں کے بعد ماں وہیں نے رکھنا تک رکھنا تو ارانہ کیا۔ اس کی شادی فیکٹریوں کے مالک حاجی سلطان احمد کے چھوٹے بیٹے، چارڑہ اکاؤنٹنٹ، خوبرو، وجہہ، نصیب احمد سے ہو رہی ہے۔ سب کے دلوں پر جسے سانپ لوٹ گئے۔ جعلے مل کی بھاپ منہ کے رستے نکلنے لگی۔

”ارے ہٹو، کہاں کی شادی، کیسی شادی، نہ میں تو سدا کی مطلبی اور چالاک ہے۔ اپنی چاکری کرانے کے لیے ملازمہ نکاح میں لے جا رہی ہے۔“

”اوہ کیا۔ ساہے لڑکا اسلام آباد میں رہتا ہے، اپنا فلیٹ ہے، گاڑی ہے اتنی اچھی نوکری اور حسین بھی بنت ہے اس کے لیے یہ شیم مسکین مری چھپکی، ہی رہ گئی تھی۔“

”ہاں وہ تو بھا بھی کے پرد کر کے خود اسلام آباد چلا جائے گا۔ ارے دیوبھوت سے لڑکوں کو ذرا اچھی نوکریاں مل جائیں تو حور پریاں مانگتے ہیں، بعد جنت کے یعنی رعب واب والی سرال ہو اور بھاری جیزیز بھی، نجانے نہ میں نے کیا جاؤ چلایا ہو گا۔؟“

”تم نے اس کے سر کو تو دیکھ رکھا ہو گا۔ اپنے حاجی صاحب کو۔ اسی کے ذریعے معاملہ طے کیا ہو گا۔ بڑے خدا ترس انسان ہیں۔ نہ میں نے نقشہ کھینچا ہو گا خوش نما کی بیچارگی کا، وہ جنت کے لائچ میں بیٹا داؤ پہ لگانے کو تیار ہو گئے۔ جوان لڑکا وہ بھی کماو، خود مختار، پتا نہیں کس طرح دھمکیاں دے دے کر مجبور کیا ہو گا۔“

یہ سب چہہ میگویاں اسے سراسری سے کرنے لگیں۔

ہے۔ کبھی فلموں کمانیوں میں بڑھی پجو شنزیا د آتیں کہ کس طرح ایک اپ نارمل لڑکے یا منشیات کے عادی کو دھوکے سے کسی غریب بے سار لڑکی کے پلے باندھ دیا جاتا ہے اور بھی وہ تاجور آنٹی کے خلوص کے آگے ہمارا نتے ہوئے ان تمام وسوسوں کو جھٹک دیتی لیکن مطمئن پھر بھی نہ ہوتی۔

نازوں کے پچھے پڑی تھی کہ ایک نظر کھڑکی سے باہر آپنے ہونے والے دولما کو دیکھ لے۔

”اکھر نال خوشی! اک منٹ دیکھ تو سی، کیسے بھنگرے وال رہا ہے اپنی مہندی پر خودی۔“

اس کے بار بار کہنے پر تھگ اکے وہ مرے مرے قدموں سے کھڑکی تک گئی۔ باہر جھانکا، نازو کی شاندی ہی پہلان کے وسط میں پیڑھے پہ عورتوں کے درمیان اسے بیٹھا دیکھا۔ گیندے اور سورج مکھی کے پھولوں سے سجا پیڑھا لان میں پچھی زرد اور سرخ دریاں، سبز اور پیلے ملبوسات میں بھی سنوری عورتیں اور ان کے درمیان راجہ اندر بنا بیٹھا وہ نصیب تھا۔

دو تین روز کی بڑھی شیو، تیل لگے بکھرے بالوں میں وہ اس قدر دمک رہا تھا کہ وہ خود حیران رہ گئی۔ جو حالت عورتوں نے اس کی کردی تھی تیل، ابھن اور مشحومی کے ساتھ، اس کے باوجود اس کے چہرے کی بشاشت اور شکفتگی کمال تھی۔ سب سے بڑھ کر اس کی شفافِ موٹی کی رنگت کی سحری چمک نجاتی یہ گردوبیش میں چھائے پیلے رنگ کی جگہ گاہٹ تھی یا اس کی اپنی جلد میں سونا گندھا ہوا تھا۔

”منڈاتے رنج کے سوہنا اے۔“

تاجور آنٹی کی ضعیف ساس نے تبصرہ کیا۔

”سوہنا نہیں نالی! سونا ہے سونا۔“ کسی لڑکی نے بڑی حرست سے کہا۔ باہر لان میں کسی نے کیست لگایا۔

”منڈا سونے رنگ دا لے گیا میرا رسول رب دل میں۔“

شبتم مجيد کی آواز ماحول پہ جھاگئی اور دولما کے دوست پیلے دوپٹے اور الہار کرنا پختہ لگئے وہ ایک دم پتھرے

عزیز تھے جہاں قیام کیا۔ شام کو جب لڑکے والے مہندی لے کر آئے تو لڑکا بذاتِ خود ہمراہ تھا۔ طے پیدا کہ ابھی اسی وقت لڑکی والے بھی رسم ادا کر لیں۔ اور لڑکی والے تھے کون، تاجور آنٹی اور ان کی فیملی بلکہ تاجور آنٹی ہی کیونکہ ان کے بیٹوں کو اس شادی پر تو کوئی خاص اعتراض نہ تھا مگر ماں کا، ایک پرانی لڑکی کے لیے اتنا روپیہ مانی کی طرح بھانا پسند نہ آیا حالانکہ خوش نمانے ہر ممکن طریقے سے آنٹی پر زیادہ بارندہ ڈالنے کی کوشش کی۔

دوسری جانب سے بھی جیز کا خاص مطالبہ نہ تھا پھر بھی آنٹی نے تقریب وغیرہ کا جو خرچہ کیا وہی کافی تھا۔ چند سوٹ اور سینڈلیں آنٹی اور باجی نے بنادیں۔ ماموں نے دنیاد کھاوے کو دس دس ہزار روپیہ اس کی ہتھیلی پر رکھا، وہ لینے میں متامل بھی مگر آنٹی کے اشارے پر رکھ لیا۔

یوں دس جوڑے کپڑوں، ڈھانی توں کے زیورات اور بیس ہزار نقد کے ساتھ وہ رخصت ہونے کو تیار تھی۔ اسے بڑے ماموں کی بٹی شاہلہ کی شادی کی تمام تفصیلات یاد تھیں، کیا جیز بھی جو جیز میں نیچے دی گئی تھی۔ اور باجی نہیں کی شادی پر کیا کم رونق تھی لیکن اسی گھر سے جب اس کے لیے مسندی آئی تو اسے اپنی کم مایگی کا احساس شدت سے ہونا لگا۔

تاجور آنٹی جوان بیٹوں کے آگے بھروسے بے بس تھیں، اس لیے ن پاہنچتے ہوئے بھی ان کے ہاتھ بند ہھے، ہی رہے جب کہ وہاں سے آئے والی مہندی کی بچ دھنگ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ بری بھی اسی دن دے دی گئی تاکہ شادی کے روز دہن کو بری کے زیورات اور لباس پہنایا جائے اس کی کرزز آسکرا سے شاندار ڈریسز اور بھاری جیولری کی تفصیلات سناتی رہیں اور وہ الجھتی رہی۔

”اتنی انویسٹمنٹ اور اس پیکار و جود پیسے“ یہ بات اس کی سمجھتے سے باہر تھی۔

بھی کبھی اسے ان عورتوں کی باتوں پر یقین سا آنے لگتا کہ ضرور اس میں نہیں باجی کا کوئی مفاد وابستہ

ہٹ لئی

”تمہارے لاؤں کا فنڈ نہس، وہ تو میرے باپ نے اس وقت میری روح سے کھینچ لیا تھا جب شاید میں اس دنیا میں بھی نہیں آئی تھی۔ آپ تعلیم، ذہانت کی بات کرتی ہیں، جرأت اور حوصلے کی بتائیے میری ماں میں کیا کمی تھی، سکھڑ، صابر، شاکر، محنتی، خوش اخلاق اعلیٰ خاندان سے تعلق، لیکن اس کے بل بوتے پر تودہ ایک دن بھی نہ قبولی گئیں۔“

زمین باجی پچھے کہنا چاہتی تھیں مگر لڑکیوں کو قریب آتے دیکھ کر آہستہ آواز میں بس اتنا کہہ سکیں۔

”عجیب ضدی لڑکی ہو، اچھا کل کیا کرو گی“ اسی طرح منہ چھپائے بیٹھی رہو گی۔“

”کل کا کل دیکھیں گے۔ آج تو بالکل ہمت نہیں اس طبقے میں باہر جانے کی۔ کل نازو کی بیوی پارلر میں لے جاتو رہی ہے۔“ وہ طنزیہ ہنس کر دلاسا دینے لگی۔ ”شاید وہ گزارے لا اُق بنا، ہی دیں۔“

پھر زمین باجی نے ”لہن کی شرم و جھجک“ کا بہانہ بناتے ہوئے بات بمشکل سنبھالی اور یوں چند معابر خواتین نے کمرے کے اندر رہی رسم ادا کر لی۔

اگلے دن بیوی پارلر میں لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے ہونے والی بد صیغہ نے اور کام خراب کیا۔ اچھے خاصے قیمتی شرارے اور بھاری زیورات کی بھی شوماری گئی (اس کے ذاتی خیال میں ورنہ آنکھوں کا میک اپ قدرے ڈار ک ہو جانے اور ہیسرا شاکل ڈھنگ کانہ بٹنے کے علاوہ کوئی خاص بات نہ ہوئی تھی) سرال پیشخونے کے بعد ریاب نے اس کا از سر نو میک اپ کیا اور کافی عورتوں کے تعریفی کلمات نے اس کی پیجھتی ہتھیلیوں ڈوبتے دل اور کیپکا تے قدموں کو سمارا اوریا۔ لیکن نصیب اس کی توقع سے کہیں بڑھ کے مغرور اور خود پسند واقع ہوا تھا اس نے اسے ذرا الفت نہ کرائی نہ صرف یہ بلکہ شادی کے اگلے دن بھی سب کے سامنے ہلکم ہلا اسے مذاق کا نشانہ بنایا۔

وہ اس کی زبان سے ڈرنے لگی تھی، کبھی بھی، کہیں بھی، کسی کے بھی سامنے پچھے بھی کہہ سکتا تھا اس حد

اپنی جگہ تک حاتے جاتے اس نے راستے میں لگے آئینے کی طرف دیکھنے سے دانتے گریز کیا۔ باجی کے اصرار پر وہ یہ گھرے پلے رنگ کا کر تاپا جامہ پہن تو پھر تھی جس پر سبز اور سلوٹ گوٹا لگا تھا۔ لیکن جانتی تھی اس گھرے رنگ کے لباس میں اس کا گندمی رنگ مدد ہم ہو کر سانولار ڈگیا ہو گا۔ ماتھے پر بستے تیل نے سارا چہرہ پچھپا کر رکھا تھا۔ نازو کے لگائے ابٹن نے پورے وجود میں زردی گھول رکھی تھی، اسے تو صبح آئینہ میں خود کو دیکھ کر گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ وہی بی کی مریضہ لگ رہی تھی۔

”کچھ نہیں ہوتا، ابٹن ایسے ہی اثر کرتا ہے جب نہادی تو پھر دیکھنا میرے جادو اثر ابٹن کا مکمال۔“ اس نے سلسلی دی۔

”تو نے لڑکا دیکھا رہا تھا،“ خوشی تو اس کے آگے کچھ بھی نہیں۔ شماں کی سرگوشی نے اس کو احساس کمتری کی آخری حد تک پہنچا دیا۔ جب زمین باجی اسے رسم کے لیے لینے آئیں تو اس نے صاف انکار کر دیا۔

”پلیز باجی! میرا تماشا مست بناویں۔ آپ چاہتی ہیں سب لوگ ہلکم ہلا میرا مذاق اڑا میں۔ آپ نے اپنے دیور کو خدا ترکی اور ہمدردی کے نام پر راضی تو کر لیا ہے لیکن کہیں ایسا نہ ہو، آپ کی ساری بھاگ دوڑ بیکار ہی جائے مجھے اس مر جھائی ہوئی حالت میں دیکھ کر اس نے عین رسم کے موقع پر ہی انکار کر دیا تو پھر۔۔۔“

”تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا خوشی؟ کیسی انہا پ شناپ باتیں کر رہی ہو۔ کس نے بھری ہے یہ خرافات تمہارے دماغ میں، اسٹوپید لڑکی! اتنا پڑھ لکھ کے گواہا ہے بس تم نے۔ تم میں قیا کمی ہے بتاؤ تو؟“ ارے تعلیم اور ذہانت کے بل بوتے پر معذور اور نامکمل انسان بھی دنیا کا سامنا پوری جرأت کے ساتھ کر لیتے ہیں اور تم ہے؟ یہ موقع تمیں اس قسم کی بحث کا درنہ میں تمہاری خوب خبریتی، چلو اکھو، وہ دیکھو میرے سرال کی خواتین بھی اندر آ رہی ہیں۔ شباباں بی

تک زبان دراز تھا۔

سرال میں باقی سب کچھ فی الحال تو معمول کے مطابق ہی تھا۔ ساس دو سال پلے گزر چکی تھیں اگرچہ خوش نمانے انہیں سرسری ساد یکھر کھا تھا لیکن نہیں بیاجی کے حوالے سے ان کے بارے میں بہت کچھ جانتی تھی۔ ان کی اپنی ساس سے ذرا نہیں بنتی تھی، شوہر سے بھی اسی سلسلے میں اختلافات رہتے۔

سرابتہ بے حد شریف النفس، نمازی، پرہیز گار انسان تھے۔ ان کی شخصیت کا نور چہرے سے ہی چھلتا تھا۔ خوش نما کو یعنی تھا وہ ضرور اس گھر میں ان کی حمایت سے آئی ہے ورنہ نہیں بیاجی اتنی بااثر بھی نہیں کہ دیور پر زردستی کر سکیں۔

”انہوں نے نیکی کمانے کے لیے میرا انتخاب کیا لیکن یہ کیا جائیں کہ انہیں تو تواب مل جائے گا، مجھے کیا ملے گا؟ ہر دم پیروں کے تلے زمین مکھنے کا خوف، سرکی چھٹت اڑنے کا اندریشہ۔ یئے کونجا نے کیا دھمکیاں، ڈراوے، جذباتی بلیک میلنگ کے ذریعے رضامند کر کے وہ تو مطمئن ہیں لیکن ساری بے اطمینانی تو میرے حصے میں آئی۔“

وہ دل گرفتہ ہو کر سوچتی۔ شادی کے پہلے ہفتے، ہی اس نے اس رشتے کے انجام کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔

”میرا تواب کوئی نہ کھانا بھی نہیں۔ خدا نخواستہ کل کو بیاجی نہ رہے تو نصیب پر کس کا زور؟ وہ اپنی من پسند لڑکی سے شادی کر لیں گے۔ میں کہاں جاؤں گی۔ اس سے تو اچھا تھا زمین بیاجی میری شادی کسی کم رو، اُن پڑھ اور غریب سے بندے سے کروادیتیں۔ کم از کم وہ میری قدر تو کرتا۔ اس کے ساتھ کھڑے ہونے میں مجھے یہ خدشہ تونہ تھا کہ میری شخصیت گھناری ہے۔ افسی آئی! آپ نے غلط کھاتھا۔ میں پہلے بھی غیر محفوظ تھی اب بھی وہی بے سکونی ہے۔ مجھے تحفظ ہی تو چاہیے تھا، اسی کی تلاش میں آپ کے آسرے سے نکل کر شادی پر تیار ہوئی تھی مگر کہاں ہے تحفظ، کہاں ہے عزت، ہر وقت یہی ڈر کہ کب وہ میرے باپ کی

”طرح مجھے اپنے گھر سے۔“
وہ گھبرا کر اباجی کی لمبی عمر کی دعا میں مانگنے لگتی۔ جن کے دم سے اتنی سلی تو تھی کہ نصیب کی نہ کسی طرح اسے برداشت کرتے رہیں گے۔

رشتے کے بہنوی کی حیثیت سے حسیب بھائی کو پہلے سے جانتی تھی، البتہ ان کی سنجیدہ طبیعت کی وجہ سے زیادہ بے تکلفی نہ تھی۔ اب جیسے کے قریبی رشتے میں بھی وہ اتنے ہی سرد مرد اور اخوبی اجنبی سے لگتے۔ اسے ان کا یہ گریز نہیں اس لیے نہ چھوٹتا کہ صرف اسی کے ساتھ نہیں بلکہ گھر کے تمام افراد کے ساتھ وہ لیے دیئے ہی رہتے۔

زمین بیاجی بھی ان کی خشک مزاجی سے نالاں تھیں بلکہ وہ تو سراسر اسے بے حسی کا نام دیتیں۔ خود ان کا اپنا حال تو یہ تھا کہ بلا کی شدت پسند تھیں۔ مزاجوں کا یہی تضاد تھا جو وجہ تنازعہ بنتا ہوا تھا لیکن اس معاملے میں جمال بیاجی کی جذباتیت اور جلدی بازی نقصان وہ ثابت ہو سکتی تھی وہیں حسیب بھائی کی محمل مزاجی مدد و گار ثابت ہوتی تھی اور دونوں بھائے چلے چار ہے تھے نہ صرف یہوی بلکہ نصیب بھی بڑے بھائی سے خائف اور گلہ کنال رہتا۔

انہیں لمبے لمبے لیکھر جھاڑنے کا عارضہ تھا، با اوقات وہ اسے چھوٹے بچوں کی طرح ٹرست کرتے۔ چڑکر اس نے انہیں ”خطیب بھائی۔“ کا نام دے چھوڑا تھا۔

نام کے حوالے سے بخششا تو خیر اس نے کسی کو بھی نہیں تھا۔ زمین بیاجی کو ہمیشہ غمگین بھا بھی کہہ کر پکارتا اور یہ تو خوش نہایتی تھی، انہیں سب پچھہ حاصل ہوتے ہوئے بھی دکھڑے روئے کا کس قدر ہو کا ہے۔ اس نے ان کی زبانی اپنی سرال کے اتنے قصے سن رکھتے تھے کہ سوچ کر لرز جاتی اب چند ہی دنوں میں گھر کا ماحول پر کھل لینے کے بعد وہ جان گئی کہ وہ صرف عادتاً ذرا سی بات کو بڑھا چڑھا کے بیان کرتی ہوں گی۔

نصیب کی والدہ کو گزرے دو، ہی سال تو ہوئے تھے اگر انہوں نے گھر کو اس قدر ازیست ناک بنا رکھا ہو تو

گن کے اس کے واپس جانے کا انتظار کرنے لگی۔

♥ ♥ ♥

وہ نانو کے پاس بیٹھی مشرچھیلیتی ہوئی ان سے «قصص الانبیاء» کے اقتباسات سن رہی تھی۔ اباجی رائے و نڈ کسی مذہبی اجتماع میں شرکت کے لیے کہے تھے، حسیب بھائی حسبِ معمول فیکشی، بچے اسکوں تھے اور نہیں باجی مکمل فرصت کا یہ طویل دورانیہ اپنے کرے میں انجوائے کرتی تھیں۔ انجمن کے کام کی نگرانی نانو ہی کرتی تھیں اور اس کے سرپر سوار ہو کر وہ پر کا کھانا بھی پکوائیں۔ ایک دو تین روز سے یہ ذمہ داری خوش نمانے اٹھا رہی تھی۔ اس کا بس چلتا تو خود ہی پکانا بھی شروع کر دیتی لیکن نانو کو تو اس کا چکن میں جاتا ہی سرے سے پسند نہ تھا۔

«ہفتہ بھر تو ہوا سے تمہیں بیاہ کر آئے۔ خبردار جو چولے کے پاس بھی گئیں تو۔ بس اتنا بہت ہے کہ اس مولیٰ انجمن کی نگرانی کر دیتی ہو۔ بڑی دلمن بس رات کا ہی کھانا بنالی ہیں وہ بھی حسیب کے کہنے پر کیونکہ اسے ملازمہ کے باقاعدہ کا کھانا پسند نہیں۔ درنہ وہ تو پچھن میں جھانک کر بھی نہ دیکھیں۔ خیر سلی تو مجھے بھی نہیں ہوتی۔ اسی لیے مسلسل اس کے سریعہ کھڑی رہتی ہوں۔ میں نہ دیکھوں تو گندے سندے ہاتھوں سے ہی آٹا بھی گوندھ لے اور سبزی گوشت بھی بغیر دھوئے چڑھاؤں۔ کم بخت کے باقاعدہ ہر وقت تو سر میں گھے رستے ہیں، جووں کے ساتھ آنکھ پھولی کھیلنے کو۔»

«لیکن نانو! مجھ سے یوں فارغ وقت بھی تو نہیں گزرتا۔»

«بس بس، چپ کر کے یہ مہینہ گزار لو۔ پھر تمara ہاتھ کھیر میں ڈلواتی ہوں۔»

«کیوں کھیر خراب کرنی ہے نانو! خود ہی کہتی ہیں، رزق کی عزت کرو خود ہی اسے کھیر میں ہاتھ مارنے کی ترغیب دے رہی ہیں۔ چچے کا استعمال کیوں نہیں سکھاتیں۔» حسبِ عادت نصیب نے گفتگو میں دخل دیتے ہوئے ادھر ادھر کی ہانگی۔ وہ جز بزر ہو کر رہ گئی۔ «آخریہ اسلام آباد چلے کیوں

پچھے اثرات تواب بھی نظر آتے۔ اسے تو نہیں بایجی کے تمام تر شکوئے شکایتیں بے جا ہی لگتیں۔

جگنو اور بلبل، ان کے پیارے پیارے بچے، نصیب ان کے درست نام لیتا تو اسے بڑی حیرت ہوتی ایک روز اس نے خود ہی بتایا۔

«غمگین بھا بھی نے اپنی اولاد کے نام رکھنے میں کوئی کسر چھوڑی ہے جو میں بگاڑوں۔ پتا ہے انہوں نے شادی کے بعد علامہ اقبال کی «دُشْنی پر کی شجر کی تنا، بلبل تھا کوئی اداس بیٹھا» بہت پڑھی تھی یہی دو نام زہن پر سوار تھے۔ یہ تو شکر ہے انہوں نے "ایک مکڑا اور ایک مکھی" زیادہ نہیں پڑھی۔»

اور نانو، اس گھر کی سب سے متوازن ہستی۔ بار عرب بھی، سنجیدہ بھی، دوستانہ مزاج بھی۔

خوش نما کو حیرت ہوتی کہ ان کی اپنے چھوٹے نواسے سے اتنی کیسے بنتی ہے۔ وہ تو اس قدر منہ پچھت اور بڑیوں لے ہیں، نانو کی کیسے بُجھ جاتی ہے۔ وہ بُجھنے سے قاصر تھی۔

اس کا اپنالیں تو نانو کے پاس بہت لگتا۔ انہیں مقابل کے دل میں جھانکنا آتا تھا، یہ شہ مخاطب کے موڑ کے مطابق گفتگو کرتیں۔ اباجی نے بالکل ذرست فیصلہ کیا تھا انہیں یہاں لانے کا۔ نہیں یا جی فطرت "لاکھ مخلص سکی ذمہ دار ہرگز نہ تھیں۔

اور گھر کا سب سے اہم فرد (کم از کم اس کے لیے) تو نصیب تھا کیونکہ وہ اسی کے حوالے سے یہاں موجود تھی لیکن یہ حوالہ قابل فخر نہ تھا اس کے لیے۔ وہ اس کا سامنا کم سے کم کرنے میں ہی اپنی عافیت جانتی۔ اسی سے پچھے کی خاطر اس نے جلد ہی گھر کے کاموں میں حصہ لینا شروع کر دیا، باجی اور نانو کے لاکھ منع کرنے کے باوجود ویے بھی اس نے اس گھر میں جگہ بنائے رکھنے کا یہی طریقہ سوچا کہ زیادہ سے زیادہ "مفید" ثابت ہو کر دکھاؤں۔

بہانے نصیب تو اس کا کیا تھا، چھٹی ختم ہوتے ہی اس نے واپس اسلام آباد جانا تھا۔ گھر کے بقايا افراد کے ساتھ گھلنامننا اس کے لیے اتنا مشکل نہ تھا۔ وہ دن کن

آتے دیکھ کر نانو نے اسے ڈینے کا پروگرام سمجھتے ہوئے چپ رہنے کا اشارا کیا مگر وہ تھیب ہی کیا جو چپ کر جائے۔

”ہر بڑے دنوں بعد ملکہ تر نم کی سواری آئی ہے اور آہا۔ بند ریار! تو بھی آیا ہے۔ مجھے فرصت مل گئی اپنی دکانداری سے۔“ خالہ زاد منظر اس کا لگوٹیا کھلایا جاسکتا تھا۔

”مجھے تو فرصت ہی فرصت تھی۔ آیا اس لیے نہیں کہ تم فرصت سے نہیں ہو گے۔“ اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔

خوش نما بھی رباب کو دیکھ کر خوش ہو گئی۔ نانو تو بیٹی کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ نصیب منظر کو لے کر وہیں بیٹھ گیا۔ اسے کھبر اہم سی ہونے لگی۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھنے سے احتراز ہی کیا کرتی۔ اس کی فقرے بازی کی ریگ ارد گرد کسی کو دیکھ کر زیادہ ہی پھر ک جایا کرتی تھی۔ وہ رباب کو لے کر وہاں سے ہٹنا ہی چاہتی تھی کہ انجمن آگئی۔ وہ اسے پھن کے ضروری کاموں کی تفصیل بتانے رک گئی لیکن اس سے پہلے نصیب اس کی کلاس لینے بیٹھ گیا۔

”کیوں بھی من دو سن؟ یہ وقت ہے تمہارے آنے کا؟“

”ہا بائے پائی جان، کیا بتاؤں، رات کتنی زور کا درد اٹھا میرے پیٹ میں حالانکہ میں نے سکھی روٹی چاء کے ساتھ کھائی تھی مگر بکاب کھانے والوں کے پیٹ ٹھیک رہتے ہیں، ہم گربوں کے ہی درد ہوتا ہے۔ آدھی رات تڑپ کے گزاری۔ سوریے آنکھ دیرے کھلی۔“

”یہ کہانیاں کسی اور کو سنا نا ہیں میں نہیں جانتا کہ تم ہر پیر والے دن دیرے سے کیوں آتی ہو۔ اتوار کی رات سارے گلی والے گرائے پہ ویسی آر منگا کر ساری ساری رات فلمیں دیکھتے ہو۔ سو ہمیں روٹی روٹی چائے کے ساتھ کھانا منظور ہے لیکن فلم دیکھنی میں چھوڑنی۔“ ”جب آپ کو پتا ہے تو پچھتے کیوں ہو؟“ دھشائی کا مظاہرہ کرتی وہ پھن کی طرف مڑنے والی تھی کہ خوش نہ

نہیں جانتے۔“ اس کی سوچ کی ہر تانی بیسیں آگر ٹوٹی۔ اس وقت بھی یہی ہوا وہ اچھی بھلی بیٹھی نانو سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ملکہ سبا سے ملاقات کے احوال سن رہی تھی کہ اچانک وہ شورو غل مچاتا اس طرف چلا آیا۔

”کیسی ہیں میری پری چہرہ نانو۔“ وہ نانو سے لپٹ گیا۔

”تمیز سے برخوردار۔ کتنی بار کہا ہے، کم از کم مجھے تو اٹھے سیدھے ناموں سے مت پکارا کرو۔“ انہوں نے گردن سے اس کا حلقة پرے ہٹایا۔

”یہ تو آپ کا خطاب ہے۔ اچھا بتا میں، آپ کا نام کیا ہے۔“ اس نے پھر سے بانہیں لگھے میں ڈال دیں۔ ”میرا دماغ مت چاٹو نصیب۔“

”سیم بانو۔“ وہ سن کر بھی نہیں سن رہا تھا۔ یہی اس کی عادت تھی بس اپنی ہی ہائنسے جانا۔ ”یہی نام ہے ٹال۔“ اور سیم بانو کا خطاب پری چہرہ ہی تھا۔ ہے کہ نہیں؟ بتائیے آپ کے زمانے کی تو بڑی مشہور ہیروئن رہی ہے۔“

”حد سے زیادہ بد تمیز ہوتے جا رہے ہو تم نصیب۔ اب بوڑھی ہائی کو گانے بجانے والیوں سے ملانے لگے ہو۔“ وہ بگڑ گئیں۔

”استغفار اللہ تو بہ تو بی۔ آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ لگتا ہے آپ کو فلموں وغیرہ سے دیکھتی نہیں رہی، اس لیے نہیں جانتیں کہ پری چہرہ سیم بانو گانے والی نہیں تھی وہ تو صرف۔“

”اب تم چپ کو گے یا پھر میں تمہیں دو لگاؤ؟“ ”یہ؟ نافرست یہ آپ کہہ رہی ہیں؟“ وہ صدمے کی شدت سے بے ہوش ہونے کے قریب تھا۔

”آپ تو ایسی نہ تھیں نانو۔ یہ کس کی خشک صحبت نے آپ کی محبت کے سوتے خشک کر دیے۔ اچھا اچھا سمجھ گیا۔ ضرور پری چہرہ سیم بانو نانا جان کی پسندیدہ ہیروئن رہی ہوگی اسی لیے آپ اتنا خار کھار، ہیں اسی کے نام سے۔“

”تمہیں تو میں سے۔“ سامنے سے آنٹی نور جہاں کو

نے آواز دے کر روک لیا۔

”امن! مذر کے دانے میں نے نکال دیے ہیں یہ لے جاؤ، ان میں سے تھوڑے سے نکال کر آبلتے کے لیے رکھ دینا، باقی دھو کر رکھ دو۔ فرتح میں سے ایک پیکٹ مرغی کا اور ایک قیمے کا نکال کر لے جانے کے لیے سنگ میں رکھ دو۔ لسن، پیاز وغیرہ جا کر رکھ دو۔ آدمی پیاز سالم کے لیے کاشنا اور آدمی کبابوں کے لیے پارسیک پیس لینا۔ کھانا میں خود بناوں کی۔ خالہ آئی ہیں تم تو نجات کیا گھول کر سامنے رکھ دیتی ہو۔“

کل، ہی نانو نے اس سے فرنی بنوالی تھی اس کے بے حد اصرار پہ لیکن اس تاکید کے ساتھ کہ اسے ابھی سے پچھنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ ان کی تاکید فراموش کیے اس وقت صرف مہمانداری کی فکر میں ہلکا ہو رہی تھی۔

”نہیں بھا بھی پلیز، کھانے کا اہتمام مت کریں۔“

رباب نے روکا۔

”اور کیا، ہم لوگ تو آپ کو ڈنر پہ انوائش کرنے آئے ہیں۔“ منظر نے بھی منع کیا۔

”کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ منظر بھائی! یہ آپ کا اپنا گھر ہے، تکلف کی کیا بات اور آپ کا گھر بھی ہمارا اپنا ہی ہے، خاص طور پہ انوائش کرنے کی کیا ضرورت۔“ وہ اخلاق سے گویا ہوئی۔ اس محبت کے منظاہرے نے دونوں کو مزید تکلف کا مظاہرہ کرنے سے روک دیا۔

”من دو من! یہ تو بتاتی جاؤ رات کون سی فلمیں کھڑا کاہیں۔“ نصیب نے پھر اسے بالتوں میں الجھانا چاہا۔

”مولے دا کھڑاک، اک گجر سو یو معاش اور چو رانی۔ ساری کی ساری شان کی فلمیں تھیں۔ ایک سے ایک زردست۔“ وہ مزا لے کر بولی۔ ”پائی جان! دیے آپس کی بات ہے۔ تھی کیوں نہیں فلمیں کام کرتے۔ تھی کسی ہیرو سے کم ہو۔“

”یا! فلموں میں کام کر تو لوں مگر، ہیروں کیاں سے لاوں۔ کوئی بچے گی میرے ساتھ؟“ بڑے بخے کے ساتھ پوچھا گیا۔ خوش نمانے چونک کراس کی اکڑی

گردن پہ بجے مغۇرچىرے کو فیکھا۔

گنوانے لکھی کہ اس نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

”بس بس اب مجھ سے اپنی چھیتیوں کی شان میں گستاخی مت کرو ایتھنا۔“

”تمہارے لیے انڈیا سے ہیروئن امپورٹ کرو ائیں۔“ منظر نے پوچھا۔

”متوہب کرو، مجھے تو انڈیا کی کوئی ہیروئن ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ عجیب چالا کو ماسیاں سی ہوئی ہیں، پھاپھے کٹنیاں سی۔“

”غیر ایسی بات تو نہیں اور سب کا چھوڑو، ایشوریہ رائے کے حسن کے بارے میں تو وورائے ہو، ہی نہیں سکتیں، ہر طرح سے مکمل اور بے داع غسن۔“ وہ خود سب سے بڑا فیں تھا۔

”بے شکریں لیکن اس کی خوبصورتی پلاسٹک میڈیا لگتی ہے۔ کسی موہی مجھتے کی طرح، شوکیس میں بھی سوری پتلیاں ہوتی ہیں تاں۔ اس میں خوبصورتی ہے مگر دلکشی نہیں۔ حسین تو لگتی ہے مگر ”پیاری“ نہیں۔“

”اس نے یہ بھی ربیکٹ کر دی تو اندر جانے کا ارادہ موقوف کر کے خوش نما بھانے سے وہیں نکل کر کارپٹ پہ بکھرے اخبار سمیٹنے لگی ماکہ اس شنزارہ گلوفام کے معیارِ حسن کی حدیں تو جانچ لی جائیں۔ منظر کو بھی اس ذکر میں دلچسپی محسوس ہوئی وہ یوں ایک کے بعد ایک نام گنوانے لگا جیسے نصیب کے کسی یہ ہاں کرتے ہی وہ فوراً“ اسے سائنس کر کے فلم بنوادا لے گا۔

”ایسا کرتے ہیں، ہاں وڈکھنگا لتے ہیں۔ ہاں وڈکی کوئن جولیا رابرٹس؟“

”وہ بڑے دانتوں اور اوٹنی کے ہونٹوں والی؟“ تمشخر سے کہا گیا۔

”پیٹلوب پیٹلوب؟“

”اس کے نقش ضرورت سے زیادہ تیکھے ہیں، نوکی لی سی ناک اور تیز دھار ٹھوڑی۔“

”ڈریو بیری مور؟“

”قدرتے بہتر۔ لیکن ایک تو مولیٰ ہوتی جا رہی ہے شدید حملہ کیا کہ وہ اپنی جگہ سے جبنت تک نہ کر سکی۔ دن بدن دوسرے اس کے چڑھے ایک مخصوص سا ہونت پن ہے، اجڑ ساتھ جو ساری خوبصورتی غارت کر دیتا ہے۔“

”غصہ؟ غصہ اور مجھے مجھے تو صرف ورد ہوتا تھا، یہ بسی اور کمپرسی کا احساس ہوتا تھا، تکلیف پہنچتی تھی۔“ غصہ بھی نہیں آتا تھا۔ پھر اب کیسے؟“

آنٹی کے نہ نہ کرنے کے باوجود نانو نے انہیں کھانے پر روک لیا۔ انہیں خوش نما کی پھرتی اور سہمن نوازی کی یہ ادا بھی بست بھائی تھی۔ نہیں بایہ تو کھانا لکھنے سے بس چند منٹ پہلے ہی کرے سے برآمد ہوئیں۔

”ارے نئی دسم کا ساتھ کھیر میں ڈلا بھی لیا؟“ بھی سے۔ بھی تو دس روز ہوئے بیاہ کر آئی ہے۔“ اس حیرت پر نانو نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا، جیسے کہہ رہی ہوں۔“ میں نہ کہتی تھی۔“ اس نے فوراً وضاحت پیش کی۔

”بس آئی! بڑی ضد کے بعد یہ بات منوائی نانو سے۔ ان کا بس چلے تو سال بھر مجھے تنکانہ توڑنے دیں۔ دراصل مجھے فارغ بیٹھے وقت نہیں گزرتا۔ یہ الگ بات کہ کھیر پکوالینے کے بعد آج اتفاقاً“ ہی میرا داؤ لگ گیا۔ ورنہ نانو کی نظر بڑی تیز ہے۔ کچن میں گھنے ہی کھاں دیتی ہیں۔“

”تو یہ سب تم نے اس ایک گھنے میں تدارکیا ہے؟“ انہوں نے میز پر نظر دوڑا۔ مژر پلاو، چکے قیمے کے کباب، مرغی اور آلو کا سالن، ہی پھلکیاں، چنی، راستہ، سلاس۔ ہر طرح سے مکمل تھا۔ ”ما شاء اللہ بڑی پھر تسلی ہو۔“

”آنٹی! آپ کھانا شروع کیجیے۔ باقی تعریفیں بعد کے لیے اٹھا رہیں۔ اس قدر لذت ہے خوشی کے ہاتھ میں۔“ جو بھی تھا، نہیں بایہ کم از کم اس کے لیے فرانخ دل، ہی تھیں۔ ست مزاج سی طبیعت میں حسد کا ماہ زمانہ تھا۔

اور پھر کھانے کی سب، ہی نے جی بھر کے تعریف

”تھوڑے بہتر۔ لیکن ایک تو مولیٰ ہوتی جا رہی ہے ہونت پن ہے، اجڑ ساتھ جو ساری خوبصورتی غارت کر دیتا ہے۔“

”ویونوار اندر؟““ اس چوپن کا نام بھی مت لیتا۔“ اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے

”اچھا تو پھر نکول کڈ میں؟““ ”نہیں، اس کی تاک تم سے ملتی جلتی ہے۔“ سمجھیدگی سے کہا گیا۔

”مجھے سے؟“ منظر اپنی تاک شُول کر رہ گیا۔“ ”ہاں مونگی نونسے“ (بندر جیسی تاک) ”واہیات شخص زیل آدمی۔“ وہ بڑیڑا کے گالیاں دیتارہ گیا۔

”ایسا کریں نصیب بھائی۔“ ریاب نے اس بے تکی بحث میں حصہ لیتے ہوئے مشورہ دیتا چاہا۔ ”پھر تو آپ کے ساتھ بھا بھی کوہی ہیروئن لینا چاہیے۔ ان کی تاک بھی ستواں ہے۔ ہونٹ بھی نہ پینلوپ کی طرح پہلے پہلے نامعلوم سی حدود والے ہیں نہ جولیا کی طرح پھوٹے پھولے دلی دلی بھی ہیں۔“

”یار بندرا! ایک ہیروئن کا نام تو تو نے لیا ہی نہیں۔ ہیلی بیری۔“

”میرا دماغ خراب ہے کیا؟ تو نے فوراً کہہ دینا تھا وہ کالی۔“

”بس میں اب بھی وہی کہتا ہوں۔“ بہم سے انداز میں اس نے خوش نما پر ایسا وار کیا کہ وہ سر سے پیر تک سلگا ہی۔

”ٹویس اسی لیے تو میں نے اس کا نام نہیں لیا۔ تم خود ہی کہہ رہے ہو۔“ منظر شاید اس کی بات کی گمراہی تک نہیں پہنچا تھا یا پھر جان کر انہیں بن گیا تھا اور ریاب تو سرے سے متوجہ ہی نہیں تھی۔ اس کا سارا انہاک لی وی پہ لگے لکنگ پروگرام کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود خوش نما کو سخت ترین سکلی کا احساس ہوا۔ عم کے ساتھ ساتھ غصے نے اس پر ایسا

”یات صرف اتنی ہے کہ ان لوگوں کو دل بڑھانا آتا ہے، تعریف کرنے کے معاملے میں سارے ہی فراخ دل ہیں۔ سوائے“ اس نے یہ نتیجہ نکالا اور دزدیدہ نگاہوں سے سامنے بیٹھے نصیب کو دیکھا اس نے چونکہ گھنٹہ بھر سکے ناشتہ دُٹ کے کیا تھا اس لیے اس وقت صرف دو کباب وال کے بیٹھا تھا۔

”واہ۔“ اس کے منہ سے بھی تعریفی کلمات ادا ہوئے تو وہ چونک گئی۔

”زبردست یا را! کیا مزا ہے ایمان سے کس نے بنایا ہے یہ؟“

”کیا۔ یہ کباب؟“ باجی نے پوچھا۔
”نہیں۔ یہ اچانس۔“

”بازار کا ہے۔“ باجی کے بجائے اس نے نارمل سے لبجے میں کھا۔ خلافِ معمول اب اسے اس کی دل شکنی زیادہ محسوس نہیں ہوئی شاید باقی سب نے اتنی حوصلہ افزائی کی تھی کہ اب مزید ایک لفظ بھی توصیف کا سنتے کی تھنگی نہیں رہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر اسے دیکھنا چاہا۔ چٹکارے لے لے کر چٹوری عورتوں کی طرح آم کی چھانک چوتھا ہوا وہ سرہلا رہا تھا۔ خوش نما کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ جانے سے پہلے رباب اسے مزید ہدایت دے گئی۔

”بھا بھی! پرسوں آپ کو جو ڈریں پہن کے آتا ہے، وہ میں نکال دیتی ہوں اور اس کے ساتھ کی میچنگ سینڈل اور جیولری کے بارے میں بھی بتاویتی ہوں۔ بڑی بھا بھی آپ کو پار لے جائیں گی۔ چپ چاپ اچھی بیچوں کی طرح تیار ہو جائے گا۔“

”گھر ہی کی توبات ہے، چلو تمہاری پسند کا ڈریں میں پہن لوں کی لیکن یہ پار لے سے تیار ہونا کیا بہت ضروری ہے؟“

”بھا بھی! آپ نہیں جانتیں، پرسوں کا ڈنر بڑا اپیشل ہو گا۔ میرے تیا زاد بھائی کی بھی آپ کے ساتھ ہی شادی ہوئی ہے، ان کو بھی انوائٹ کیا ہے۔ میرا سارا دھمکا ہو گا۔ سب ہی دونوں دلنوں میں مقابلہ کریں گے اور میں چاہتی ہوں، میری فیورٹ

کے

”کتاب بے حد خستہ ہیں۔“ منظر نے کہا۔

”اور پلاو کی مرکب بھی جدا ہے۔ کیا کسی کے بنائے مرغ پلاو میں بھی ایسی لذت ہوگی۔“ آٹی نے قصیدہ پڑھا۔

”اور مجھے تو ولایتی مرغی کا سالن کبھی پسند نہیں آیا،“ عجیب بے لذت سا گوشت ہوتا ہے رب جیسا مگر تم نے تو اس میں بھی زائد القہ بھر دیا۔“ نانو نے کہا۔

”سلاد کی سجاوٹ تو بے حد مہارت سے کی ہے آپ نے بھا بھی۔“ ریاب بولی۔

خوش نما حیران تھی، ایک نے تو عام سا کھانا بنایا تھا جیسا ہمیشہ بناتی چلی آرہی تھی اگرچہ ماموں کے گھر اماں نے اسے کام کا ج میں زیادہ نہیں الجھایا تاکہ ان کی طرح وہ بھی کھن چکرنے بن کے رہ جائے پھر بھی آتا اسے سب کچھ تھا۔ جب اماں کی طبیعت تھیک نہ ہوتی وہ ان کے منع کرنے کے باوجود سارا کام اپنے سر لے لیتی۔ اتنے بڑے کنے کے لیے تین وقت پاک اگر بھی بھی ایک لفظ تعریف کا نام اس کے حصے آیا۔ اسی اماں کے اور یہاں سب کو مسلسل تعریفیں کرتا دیکھ کروہ پہل سی ہو گئی۔ ایسا نہ تھا کہ اس گھر میں بھی خوش زائد القہ کھانا بننا ہے تھا۔

وہ اتنے دنوں سے دیکھے تو رہی تھی۔ دوسرے کو انہم کھانا اس لیے پکاتی تھی کیونکہ اپاروپر کا کھانا شروع سے ہی نہیں کھاتے تھے، حسیب بھائی آفس ہوتے تھے، اس لیے زیادہ تر وہ ہوتا۔ آج کل اگرچہ نصیب آیا ہوا تھا لیکن وہ چھٹیاں بھر پور طریقے سے انجوائے کرتے ہوئے نجح دیر تک سویا رہتا، بھاری ناشتے کے بعد وہ بھی لبج کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تھا۔ رات کو چونکہ تمام افراد اکٹھے ہوتے، اس لیے نرمن باجی خاصاً اہتمام کرتیں۔ سب ہی کی پسند کو مد نظر رکھتے ہوئے مینو تیار ہوتا اور خوش نما مان گئی تھی کہ بے شک ان کے ہاتھ میں بھی بے حد لذت تھی اور یہ اعتراف تو باجی بر ملا کرتیں کہ ان کو کھانا پکانا ان کی ساس نے سکھایا ہے۔

بھا بھی، ہی پر سول کی پارٹی کی جان ہو۔ ”

”من نہیں۔ تم تو مجھے نہ سکر رہی ہو رباب؟“ وہ سچھ بھرا گئی۔ ہمیشہ سے اس قسم کی مقابلہ مازی سے اس کی جان جاتی تھی بلکہ وہ تو سرے سے میں کی جگہ جانا ہی پسند نہیں کرتی تھی جہاں کوئی اس کا نوکر نہ تقدیمی نظریوں سے دیکھے اور یہ رباب اسے پیشش کے لیے تیار کر رہی ہے۔

”عجیب بچکانہ ساختیاں ہے۔ دیکھونا، اچھا نہیں لگتا یوں بڑھ چڑھ کریں میرا مطلب ہے۔ کسی۔“ وہ وضاحت نہ کر سکی۔ دراصل وہ رباب پر ظاہرنہ کرنا چاہ رہی تھی کہ وہ اس کے کزن کی بیوی کے مقابل آنے سے خوفزدہ ہے۔ لیکن اس نے ایک نہ سنبھالی کو بھی بھی تاکید کر کے چلی گئی اور خوش نہیں جانتی تھی کہ اگر وہ گریز کرے بھی تو زمین باجی نے نہیں بخشتھا۔

”نجانے کیسی ہوگی رباب کی دوسری بھا بھی۔ سنا ہے کراچی یے آئی ہے۔ پھر تو ضرور ماڈرن سی ہوگی، یا بھی بتا رہی تھیں، رباب کے یہ کزن نیوی میں ہیں، ظاہر ہے کوئی ایسی اسی بیوی تو پسند نہیں کی ہوگی، اسی اوپرچے گھرانے کی الرزا ماڈ حسین نازک سی لڑکی ہوگی۔ آئی نور جہاں کو دونوں فیملیز کو اکٹھے انوائش نہیں کرنا چاہیے تھا۔“

لیکن یہ تو اس کی سوچ تھی، آئی نے اس کے مشورے سے تو یہ گید رنگ نہیں رکھی تھی۔



نچار اسے وہی کرنا پڑا جو باجی نے کہا۔ نعیسی صبح سے غائب تھا۔ جاتے جاتے اسے تاکید کر گیا تھا۔

”کہا میرا اگرے سوٹ ڈرائی کلین سے لے کر آتا ہی ہو گا۔ سامنے ہی رکھ دیتا، بلیک ڈریس شوز، میرون سلوو لا مینگ والی ٹائی بھی نکال دیتا۔ تم لوگ اپنے ٹائم چھ جانا۔ مجھے اگر کچھ دیر بھی ہو گئی تو میں خود ہی تیار ہو کر آ جاؤں گا۔“

”آپ کو گرے، بلیک اور سلوو گلر بست پسند ہے؟“ بے ساختگی میں وہ سوال کر بیٹھی۔ جواباً اس

نے ایک گھری نظر اس پر ڈالی۔ ”یہ رنگ مجھے اتنے پسند تو نہیں، البتہ میری مجبوری ضرور ہیں، سیاہ رنگ مجھ پر اٹھتا زیادہ ہے۔“

”اللہ رے خوش فہمی۔“ اس نے جل کر سوچا پھر آئینے میں اس کی شبیہہ دیکھ کر سوچا (کہتے تو ٹھیک ہی ہیں سے لیکن آخریہ آپنے منہ سے آپ اپنی تعریف اپنی آسانی سے کیے کر لیتے ہیں۔)

رباب کا نکالا لائٹ پرپل نیٹ کا اسٹائلشی سوٹ دیکھ کر وہ گزیرا گئی۔ بالکل چدید اسٹائل کی مختصر سی چست قیصہ تھی اور تنک پائپ چبوں والا ڈراؤزر، البتہ ساڑھے تین گز کے گھپردار دوپٹے نے مشرقت کی تھوڑی بست لام ج رکھی تھی۔ بری کے بست سے سوٹ اس نے اب تک کھوں کر بھی نہ دیکھے تھے، دیکھے بھی ابھی شادی کو دن ہی کرنے ہوئے تھے، بمشکل دو ہفتے اس لیے ابے پتا نہ تھا کہ رباب کا منتخب کردہ سوٹ کھولنے کے بعد اس قسم کا نکلے گا۔

اس نے ہمیشہ سے ایک مخصوص طرز کا شلوار قیمیں پہنا تھا۔ بدلتے فیشن اس پر اثر انداز نہ ہوتے تھے، تھی آسیتیں کثیر، نہ قیصہ کی لمبا کم یا زیادہ ہوئی، نہ پائپ تھے کھلے یا تنگ کیے۔ ڈرتے جھوکتے اس نے یہ ڈریس پہن ہی لیا۔

”اف میری بھی لمبی ٹانکیں لکنی بے ڈھنگی لگ رہی ہیں، چھوٹی قیصہ کے ساتھ۔ لکنی فضول سی لگ رہی ہوں گی، بالکل زرافہ۔“

بچپن میں ہی اچانک اس کا قد تاڑ سالمبا ہوا شروع ہو گیا۔ پارہ تیرہ سال کی عمر تک پسختے پسختے وہ خود سے چار سال بڑی شماں سے اوپر کرنے لگی۔ قد بڑھنے سے دلاپن بھی نہیاں ہو گیا۔ سینک سلامی مخفی بازو، چوہیاں کردن اور بالس جیسی ٹانکیں سے یہ خصوصیات اس کے کزن گنوایا کرتے۔ اپنے لمبے قد سے اس حد تک خائن، ہوئی کہ گھبرا کر جھک جھک کر چلنا شروع کر دیا۔ الثا اور نذاق بننا۔

”ویکھو اس عالم چھنی کو، اب تو کب بھی نکل آیا ہے۔“

گھرے جانی رنگ کا یہ چست لباس پہن رکھا تھا، ہم رنگ شید کی لپ اسٹک اور آئی شید اس کے سانوں پر چھپے عجیب سالگ رہا تھا۔

کردن براۓ نام تھی۔ اس پر اس نے سونے کا مٹانی بھاری سیٹ پھسار کھا تھا۔ اپنی ہیئت کذائی سے بے پروا وہ سارے میں ادھر ادھر بے تکلفی پرے چکلے چھوڑتی پھر رہی تھی۔ خاصی ہنوز طبیعت تھی شاید اس کی۔ سب ہی اس کے اخلاق اور شلگفتہ مزاجی سے متاثر نظر آرہے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ خوش نما کی سلجمی ہوئی طبیعت اور باد قار خصیت کا بھی چرچا ہو رہا تھا۔ رباب کے دھیاں کی کتنی ہی لڑکیوں نے کھلے ول سے اس کے نگر اور قد کی تعریف کی۔ وہ جھینپ کر رہ گئی۔

پارٹی کے دوران مسلسل وہ سحرش کو ہی دیکھتی رہی۔ اس کے بے پناہ اعتماد کو دیکھ دیکھ کر حیران ہوئی رہی۔ اور یہ امکشاف تو اسے ششد رہی کر گیا کہ یہ دونوں کی لومیں ج ہے۔

ڈر کے بعد جب سحرش اور خوش نما کو گفتگو کرنے کا موقع ملا تو سحرش اپنی عادت کے مطابق جلد ہی بے تکلف ہو گئی۔

”فرید میرے بھنوئی کے دوست ہیں“ ایک پارٹی میں ان سے ملاقات، ہوئی ہی۔ مجھے تو خیر یہی شہ سے ہی نہیں بہت پسند رہی ہے۔ فرید کو بھی میرا کافیڈنس اور میرا گفتگو کا انداز بہت پسند آیا۔ ہماری سے انہیں بھی دلچسپی تھی اور مجھے بھی۔ میری معلومات سے تو وہ ایک دم متاثر ہو گئے۔“

اس نے مزے سے بتایا اور وہ حیران سوچتی رہی۔ ”جھلا معلومات سے متاثر ہو کر شادی بھی کوئی کرتا ہے؟ کیا کسی کے بات کرنے کے انداز سے بھی محبت ہو سکتی ہے؟“

جو بھی تھا سحرش سے ملاقات اور اس پارٹی میں شرکت کرنا، دونوں ہی اس میں ایک مثبت تبدیلی لانے کا باعث ہے۔ سحرش سے اس نے یہ جانتا کہ کسی بھی انسان میں مخفی کمیاں ہی نہیں ہوتیں، قدرت ہر کی

”ہب تو بالکل او نٹنی ہی لگ رہی ہے۔ کوہاں بھی بنا ہوا ہے۔“ بڑی مشکل سے اماں نے اس کے کندھے جھکا کر، کمر نکال کر جلنے کی عادت چھڑائی۔ اسی وقت خود کو اس لباس میں دیکھ کر اسے پھر سے ”او نٹنی، او نٹنی“ کی آوازیں آنے لگیں۔

باجی نے اس کامیک اپ بھی ڈریس اور پارٹی کے حساب سے کروایا، بال تو قدرتی گھنگھریاں لے تھے، یوٹشن کو سیٹ کرنے میں مختنہ کرنی پڑی۔ آٹنی کے گھر حاکر اس کے قدم ایک بار پھر لڑکھڑا گئے۔ وہاں تو اچھے خاصے لوگ جمع تھے۔ بالکل شادی والا گھر، ہی لگ رہا تھا۔

جب رباب نے اس کا تعارف اپنے کزن کی ولہن سے کرایا تو وہ حیران رہ گئی۔اتفاق سے اس نے بھی وہی سوت پہن رکھا تھا صرف رنگ کا فرق تھا۔ باتی ذریانے کنگ وغیرہ یہی تھی لیکن اس کی حیرانی کی وجہ صرف یہ نہیں تھی بلکہ ان محترمہ سحرش کی شخصیت تھی۔

اچھے خاصے فریہ و جزو اور نھنگنے سے قدر کے ساتھ انہوں نے یہ فنگ و الاؤ ڈریس پہن رکھا تھا۔ شکل و صورت بری نہیں تھی بلکہ آنکھیں تو بہت ہی خوبصورت تھیں، ابھرے ہوئے پہنچوں کے ساتھ گھری بھوری بڑی بڑی اور مسکراتی ہوئی، مسکراہیت تو آنکھوں کے ساتھ ساتھ بیوں پہ بھی کھلی ہوئی تھی، ایک قطار میں سچے موتویں کے سے ہموار و انتہ بھی بھلے لگ رہے تھے، کمر سے نیچے آتے لکھنے سلکی براون بالوں کی آبشار تو دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

بس سحرش رنگ اور جسم کی وجہ سے مار کھا گئی تھی۔ خوش نمایاں رنگت اس کے ساتھ کھڑے ہوئے نکھرنے لگی تھی۔ اس کا رنگ تو اچھا خاصا پاک سانو لا تھا۔ ٹھوڑی سے لٹکا گوشت، تھل نھل کرتے بازو اور کمر سے نمایاں ہوتی اضافی جیل اس کی ساری خوبصورتی کو مات دے رہی تھی لیکن شاید اسے اس بات کا ذرا احساس نہ تھا۔ اس نے بڑی شان سے

نصیب نے کرے سے نکل کر گفتگو میں حصہ لیا۔
”ہائے ہائے کیوں جی خیری صلاحتی“ وہ بگزگئی۔
”تو پھر یہ نہ باتجھے والوں کے گروپ میں ہو گا۔“
”نہ جی۔ میرا جھیما کوئی میراثی ہے وہ تو جی
شادیوں پر کھانے پکاتا ہے“ آجمن نے فخر سے بتایا۔
”اچھا اچھا نامی ہے۔“

”اویس ای؟ اتنا کاروبار ہے، اتنے بندے ملازم
ہیں وہ کوئی آپ دیگر پکاتا ہے؟ بس دیگوں کے پاس
فجھی (چارپالی) ڈال کے مسلمان نوکروں کو پیس پیس کر
دیتا ہے۔“ اس نے اپنے منگیتھر کا ”گریڈ“ واضح کیا۔
”میوں کو نال کہ ”ہیڈ باور پی“ ہے اچھا چلو
چھوڑو اس ذکر کو۔ ایک بات تو بتاؤ۔“ وہ صلح جوانداز
میں دیکھی سے پوچھنے لگا۔

”من وہ من! آج تم نے اتنا لشکتا لشکتا تالاں جوڑا
پہن رکھا ہے، چھرے اور گردن پر پاؤڑ بھی تھا ہے،
کلاسیوں میں چوڑیاں بھی پھنسا رہی ہیں، نینوں میں
کا جعل بھی بسہ رہا ہے، بالوں میں تیل کی شیشی بھی
انڈیل رکھی ہے، ناک میں لوگ، کان میں بندے بھی
پہن رکھے ہیں، کمریہ شیشوں والا پراندہ بھی لبرا رہا
ہے۔ پھر بھی میں پھر بھی تم خوبصورت کیوں نہیں
لگ رہیں۔“ اتنی لمبی چوڑی تمہید کے بعد سنجیدگی
سے پوچھا گیا۔ سوال سن کر شرم سے لچکتی دوہری ہوتی
انجمن بھڑک اٹھی۔

”آپ بھی نال پائی جانے بڑی زیادتی کرتے
ہوئے۔ اپنا رنگ کیا چڑھا ہے، ہر یہ دوسروں کو باتیں ہی
سنتے رہتے ہو۔ رنگ کا کیا ہے، وہ تو رنگیلے کا بھی چڑھا
ہی ہے۔ آپ کے ذرا بال جھٹڑ جائیں، موٹے ہو جاؤ تو
رنگیلے ہی لگو گے۔“

بڑی جرات کے ساتھ کہتی وہ کچن میں چلی گئی۔
رباب اور خوش نمائی نہیں پر کنٹرول نہ کر سکیں اور
نصیب شرمندہ شرمندہ سا باہر دروازہ کھولنے چلا گیا۔
سلسل نیل ہو رہی تھی۔

”خشک نمائی نجات نے کس نے آپ کو محترمہ لکھتے
ہوئے یہ رجسٹری بھیجی ہے۔ پکڑیے۔“ اس کی کو دیں

کو کوئی نہ کوئی تحفہ تو دے ہی رہتی ہے، سحرش کا بدن
بھاری تھا تو کیا ہوا مل تو بڑا زرم و ملام ساتھا، تدپھوٹا تھا تو
کیا ہوا زبانت کا گراف اچھے اچھوں سے بلند تھا، ہونٹ
گلائی نہیں تھے لیکن رانست موتیوں کے سے شفاف
تھے آواز سریلی نہیں تھی لیکن باتیں مل موه لینے والی
تھیں۔ رنگ سانو لا تھا لیکن آنکھوں میں قدرت نے
شمگھوں رکھا تھا۔

فنکشن میں موجود تقریباً ”سب ہی افراد کا اے
پسندیدگی سے دیکھنا خود اس کا اعتماد برہمانے میں بھی
مدودگار ثابت ہوا۔ اپنا المباقہ جس سے وہ سدا شرمندگی کا
شکار ہی رہی، پہلی بار اچھا گا جب سب نے ہی کہا۔
”خوش نمائیہ لباس تو بنا، ہی تمہارے لیے ہے۔“
اپنی کم کوئی کے باعث وہ ہمیشہ جھینپنی —

ہی رہتی، اس کا خیال تھا کہ اسے زیادہ اچھے طریقے سے
بات کرنا نہیں آئی، اس لیے محفل میں زیادہ تر خاموش
ہی رہا کرتی۔ آج اس کی اس ادا کو بھی قبول کر لیا گیا:
باوقار اور سمجھی ہوئی شخصیت کا نام دے کر۔

* * * * *

آج انجمن خوب جو دیج کے آئی تھی۔ اس کے
ہاتھ میں دو لذو بھی تھے۔ خوش نما کو یاد آیا، کل اس کے
سرال والوں نے تاریخ رکھنے آنا تھا یقیناً۔ ”شاردی کی
تاریخ مقرر ہو گئی ہوگی۔ جب ہی اس کے رانست اندر
نہیں جا رہے تھے۔

”آپ کو بھی مبارکاں بھا بھی جی،“ بس آپ کی
دعائیں ہیں۔“ اس کے مبارک بادوینے پر وہ بڑی مدد
کی بن گئے سر جھکاتے ہوئے بولی۔ رباب کی ہنسی
چھوٹ گئی۔ وہ کل سے یہاں رہنے آئی ہوئی تھی جب
سے اس گھر میں خوش نما کا اضافہ ہوا تھا اس کا دل یہاں
خوب لگتا۔

”ویسے انجمن! تمہارا منگیتھر کرتا کیا ہے؟“ رباب
نے پوچھا۔

”جی اپنا کاروبار ہے اس کا۔ آج کل شادیوں کا
سینہ ہے نال جی تو اس کا وہندہ اخوب زوروں پر ہے۔“
”کیوں کیا وہ دھولک کرائے پہ چڑھاتا ہے؟“

ویکھا، کہیں اس کی شرارت تو نہیں لیکن اس کے چہرے پر چھائی معصومیت نے زیادہ شک نہ کرنے دیا۔ ”تو پھر کیا باتی؟“ اس سے آگے وہ کچھ سوچ ہی نہ سکی۔ باتی نانو اور تو اور باتی تک اس کی نظم کی تعریف کرنے اور اس کی حوصلہ افزائی کرنے لگے۔ ”اب ہمارے گھر میں ایک اہل فلم کا اضافہ ہو گیا ہے“ نانو نے کہا۔

”ہاں بھی، یہ تو واقعی فخر کی بات ہے کہ ہماری بہو کا شمار اب انہیوں شاعروں میں ہو گا۔ آخر اتنے معیاری ماہنامے میں بڑے بڑے نامی گرامی شعرا کے کلام کے ساتھ اس کی نظم شائع ہوئی ہے۔“ اب اب باتی کا جوش بھی قابل دید تھا۔ اس نے نصیب کارو عمل جاپنے کے لیے چکے سے اس طرف دیکھا وہ استونکر ٹورنامنٹ میں پوری طرح مکن تھا۔

”ہونہے جل گئے یہ خود پسند اور احساس برتری کے شکار افراد کسی کی تعریف برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ انہیں کہاں اچھا لگ رہا ہو گا کہ میری کسی صلاحیت کی یوں قدر ہو۔“ اس نے خود میں احساس برتری پیدا کرنے کی ناکامی کو کوشاں کی لیکن غور و فخر سے سدا کے الیکٹری نے آئینہ دکھایا۔

”اتنا اڑانے کی ضرورت نہیں۔ اسے یہ پتا چل گیا کہ یہ نظم تم نے کس کے لیے لکھی ہے تو پھر...؟“ وہ جھنجلا کر رہی تھی۔

”بجھ سے اچھی تو انجمن ہے، کم از کم منہ پر بات تو جرات سے کر جاتی ہے، میں تو مل، ہی مل میں بھی کچھ کہنا چاہوں تو بات نہیں بنتی۔“

”بھا بھی! آپ صرف شاعری کرتی ہیں یا افسانے بھی لکھتی ہیں؟“

دوسرے کو وہ کہڑے استری کر رہی تھی جب رباب نے پوچھا۔ اب وہ اسے کیسے سمجھاتی تھی کہ وہ تو یہ تک نہیں چانتی تھی کہ تھائی میں ڈائری میں بھی کبھار وہ جو چند الفاظ ترتیب دے لیتی تھی اسے کسی انجان کی شرارت کے باعث تسلیم کر لیا جائے گا۔ ”دنہیں بھی کوشاں نہیں کی لکھنے کی، ویسے افسانے

خاکی لفافہ پھینکتے ہوئے وہ صوفہ پر نہم دراز ہو گیا۔ نانو بھی ایسی وقت لاونچ میں داخل ہو گیں۔ خوش نما حیرت زدہ تھی اسے کون رجسٹری بیچ جاتا ہے اس کا دھیان تاجور آٹی کی طرف کیا لیکن وہ تو خطہ ہی بیچ سکتی تھیں جبکہ اس لفافے کا تو اچھا خاصاً وزن تھا۔ بخش سے بے قرار ہو کر اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے لفافہ کھول لیا ایک معیاری ماہنامے کا پرچہ پھسل کر گود میں آگرا۔

رباب، رسائل کی شیدائی تھی، اس سے پہلے اس نے اچک کر رسائل کھول لیا، اندر مختصر سے خط میں اطلاع دی گئی تھی کہ محترمہ خوش نما صاحبہ کی نظم نہ صرف قابلِ اشاعت ہے بلکہ ایڈیٹر صاحب نے بے حد پسند کی تھی اور اس سے مزید قدری تعاون جاری رکھنے پر اصرار بھی کیا تھا۔ رباب جلدی جلدی صفحے پلنے لگی جبکہ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

”تھیک ہے، بھی کبھار میں تک بندی کر لیتی ہوں لیکن کس کو خبر ہوئی جس نے یہ مذاق کیا۔ جسے وہ مذاق سمجھ رہی تھی، وہ بچ ٹابت ہوا۔ رباب اس کی نظم با آواز بلند سب کو پڑھ کے سنارہی تھی۔“

وہ مجھے

اپنے دل میں بسائے تو
میں اس کی دھڑکن دھڑکن پا
اپنے لب رکھوں

وہ مجھے

آنکھوں میں چھیا لے تو
میں اس کی پلک پلک پا
ستارے بھر دوں

لیکن وہ تو مجھے

اپنی مٹھی میں رکھتا ہے
جہاں میں

سائبیں بھی اس سے مانگ کے لیتی ہوں
خوش نما کا سرجھک گیا۔ دل کے کسی گرے کو نے میں پھپے ان جذبات کا سر عام اشتہار لگوانا تو اس نے نہیں چاہا تھا۔ اس نے ملتکوک نظروں سے رباب کو

”میں...؟ میں باجی؟“ وہ گھبرا گئی۔ جگنو اور بلبل دونوں بیکن ہاؤس میں پڑھتے تھے اور وہ ہمیشہ سے اردو میڈیم میں رہی، اسکول سے کالج تک۔ ”لیکن باجی! وہ تو میں ان کا کورس تو بہت مشکل ہے۔ اتنی مولیٰ کتابیں۔“

”او کم آن خوشی! کیسی باتیں کر رہی ہو۔ جگنو تھرڈ میں ہے اور بلبل نرسری میں، ایسا کیا افلاطونی کورس ہے ان کا۔ اور تم نے ایم اے کس لیے کر رکھا ہے؟“ ”لیکن میں نے ایم اے اسلامیات میں کیا ہے جبکہ جگنو کے سب سمجھیکش الگش میں ہیں۔ میری الگش بیکن ہاؤس کے یوں کی نہیں ہے۔ میں پڑھا نہیں پاول کی۔“ اس نے معدودت کرنا چاہی لیکن نہ میں باجی نے ایک نہ سن۔

”تم اردو میڈیم میں پڑھی ہو مگر کالج تک الگش سمجھیکش پڑھ تو رکھا ہے نا۔ ایسی بات بھی نہیں کہ پراں سری یوں تک کی الگش نہ سمجھ سکو۔ خرے مت کرو۔“ یہ طعنہ کاری ثابت ہوا۔ اپنے انکار کو خدا سمجھنا اسے پسند نہ آیا اور وہ فوراً پڑھانے پہ تیار ہو گئی۔



”ویکھا، تم خواخواہ جب جبک رہی تھیں۔ جگنو تو اتنا خوشی ہے تم سے پڑھنے کے بعد کہ کہنے لگا ٹیورنے زیادہ اچھی طرح پچھی بات سمجھاتی ہیں، اس کا آج کا پیپر بھی بہت اچھا ہوا ہے۔“

”ہاں واقعی دراصل کانونٹ اسکول کے نام کا رعب ہی اتنا ہوتا ہے کہ میں کترار، ہی تھی لیکن اب پتا چلا، میری الگش اتنی بڑی بھی نہیں، پراں سری یوں تک تو میں اچھی طرح پڑھا سکتی ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جو الگش جگنو تھرڈ اسٹینڈرڈ میں پڑھ رہا ہے وہ میں نے اندر میں پڑھی تھی۔ اب تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔ آپ بے شک روز انہیں بھیج دیا سمجھئے۔“

روز پڑھانے کی آفراس نے یہ سوچ کر کی کہ نصیب تو شاید ایک آدھ روز میں جانے والا تھا۔ اس کے جانے

پڑھنا سندھ ہے۔“ ”تجھے بتھی۔ لیکن ممی بہت ناراض ہوتی ہیں میری اس عادت سے۔ کہتی ہیں اڑکیاں آئیڈیل سسٹھ ہو جاتی ہیں افسانے پڑھ رہہ کے کیا واقعی ہے؟“ ”مہو سکتا ہے۔“ شاید نہیں۔ ”وہ کیا جواب دیتی، اس نے کبھی اس بات پر غور ہی نہیں کیا تھا۔

”ویسے اگر آپ نے کوئی آئیڈیل بنائی رکھا ہو گا تو وہ نصیب بھائی کی صورت آپ کو مل ہی چکا ہے، ہے تاں بھا بھی۔“ ”خوش نما جانتی تھی برابر کے مرے میں نصیب کپیوڑیہ پکھے کام کر رہا ہے۔ اس لیے اسے سنانے کو زر ابلند آواز میں بولی۔

”کیا آئیڈیل رباب! وہ جو افسانوی ہیروئن کے تصور پر چھایا ہوتا ہے وہ والا؟ مجھے تو آج تک ان کے آئیڈیل ہیروز کے خاکے، ہی سمجھ میں نہیں آسکے گھنے گھنہ پالے بھورے بال، چوڑی پیشانی، بھوری کالج کی آنکھیں، سرخ و سفید رنگت، گھنی موچھوں کے تلے مسکراتے گلائی بھرے بھرے ہونٹ زرا ان سب کو تصوری خاکہ دے کر دیکھو۔ ایوب کھوسو کی تصور بنتی ہے۔“

رباب کا نہیں نہیں کے برا حال ہو گیا۔ خود خوش نہ اپنی جرات پر حیران کھی نہ اسی کی زبان لڑکھڑائی نہ لفظ آگے پیچھے ہوئے بڑی صفائی کے ساتھ وہ در رود نصیب کے گورے رنگ اور خدو خال پہ وار کر جائی تھی۔ اس کامیابی نے اسے اور دلیر کیا۔

”اور ابھی تمہارے سامنے انجمن کہہ رہی تھی کہ گورا رنگ تو رنگیلا کا بھی ہے، اسی سے اندازہ کر لو کر مردوں کے اوپر یہ تشبیمات اور حسن کے استعارے کتنے بے ذہب معلوم ہوتے ہیں۔“ (دوسرے مرے کرے میں موجود نصیب یقیناً ”تلmlar ہے ہوں گے۔) اس نے مسرور ہو کر سوچا۔

”کیا بحث چل رہی ہے بھی۔“ نہ میں باجی اندر آئیں۔ ”خوشی! تم سے ایک کام تھا۔ دو تین دن زرا ٹائم نکال کر جگنو اور بلبل کو پڑھا رینا، ان کی بیوڑا ایک ہفتے کی چھٹی پر ہے۔“

تھے۔ اسے نصیب کے والپس اسلام آباد جانے کا انتظار تھا۔ پرسوں، ہی نانو نے ذکر کیا کہ نصیب کی ایک ماہ کی چھٹی ختم ہونے والی ہے تو اسے اپنے سر سے ایک بھاری بوجھ سر کتا محسوس ہوا لیکن وہ پیٹا کے رہ گئی جب یہ بوجھ سر سے گزر کر دل پہ آن گھمرا۔

”وہ واقعی چلے جائیں گے؟“

اس اوس سے سوال کے جواب میں اس کے پاس صرف نتائج تھے۔ وہ خوش ہونا چاہتی ہی۔ ہو نہیں پاتی تھی۔

”لواس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو گی کہ انہیں تم پڑھاویا کر دیں۔“ باجی کی آواز اسے خیالات سے چھپ لائی۔ ”لیکن اب تمہیں بھی تو پرسوں اسلام آباد چلے جانا ہے۔ تمہاری وجہ سے میں تو بالکل ہی ناکارہ ہو کے رہ گئی ہوں۔ اتنے کم دنوں میں تم نے میری عادتیں ہی خراب کر دیں۔ اب تمہارے جانے کے بعد مجھے پتا چلے گا۔ جب سارے گھر کی ذمہ داری ایک بار پھر میرے گاندھوں پہ آجائے گی۔“

نہیں باجی نے تو اس کے ہوش ہی اڑا دیئے۔ وہ اڑی اڑی رنگت کے ساتھ نصیب کو دیکھنے لگی کہ شاید وہ تردید کرے اور کچھ نہیں تو جھلا کر اتنا ہی کہہ دے۔

”میرا کیا دماغ خراب ہے جو اسے ساتھ لے کر جاؤ، اس سوغات کو آپ ہی سنبھالیے جو اتنے چاؤ سے بیاہ کر لائی ہیں۔“ وہ امید بھری نظریں سے یہ دل شکن جملہ اس کے لبوں سے ادا ہونے کے انتظار میں اسے تکنے لگی جو آج اس کے لیے حیات بخش ہابت ہو سکتا تھا لیکن اس نے کہا تو یہ۔

”اسی لیے تو لے جا رہا ہوں۔ آپ نے میری بیوی کو باور چین اور دھون بنائے کے رکھ دیا۔ ایک تو بے چاری پہلے ہی اللہ کی طرف سے تول کر پاؤ بھر گوشت لائی چھی۔ آپ نے اور نانو نے ایک مہینے کے اندر اندر بالکل ہی ڈھانچہ کر دی۔ اب دیکھنا میرے سارے دوست احباب کیا کیا نبصرہ کریں گے۔“ دلمن کیا ہڑی سے کھو دکر نکالی ہے؟ زرا خود کو ایک نظر دیکھیں لیٹ لیٹ کر بے تحاشا اور اندر ھادھند ”حسین“ ہو گئی

کے بعد وہ ذہنی طور پر زیادہ ترو تازہ ہو کر بچوں کو پڑھا سکے گی۔ اس کی موجودگی ہر وقت خوش نماگے اعصاب پہ سوار رہتی۔

ویسے وہ نوٹ کر رہی تھی، دو تین دن سے وہ کم، ہی اس کے مذاق اور طنز کی زد میں آ رہی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ اب خوش نمانے، ہی اس کی بصیرتوں کو خاطر میں لانا کم کر دیا تھا۔ اب پہلے کی طرح اس کے پیشی میں جلے ریمارکس پہ وہ گھنٹوں کڑھتی نہیں رہتی تھی نہ، ہی خود تری کا شکار ہو کے کمرہ بند کر کے رویا کرتی۔ اس کی کوشش ہوتی کہ وہ اس کی باتوں کو خاطر میں لائے بغیر ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیا کرے۔

اب گھر کے دوسرے افراد کے سامنے اسے اپنی سکلی کا احساس ہلکا نہیں کرتا تھا کیونکہ سب کے خلوص اور اعتماد نے اس کو اتنا بھاری بھر کم کر دیا تھا کہ فقط اس ایک شخص کی بے انتہائی اور ناپسندیدگی اسے ڈانواڑوں نہیں کرتی ہی۔ اس کی شخصیت میں یہ تبدیلی اس ایک مہینے کے اندر اندر ہوئی ہی۔ اس ایک مہینے میں اس نے شدت سے نصیب کی چھٹی ختم ہونے کا انتظار کیا تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ اس کھریں اور اس گھر کے بکینوں کے دل میں اس کے لیے خاصی جگہ ہے۔ وہ ساری عمر سکون کے ساتھ اس کھر کی چارو دیواری میں گزار سکتی ہے، یہاں تحفظ بھی ہے، اعتماد بھی، محبت بھی اور خلوص بھی جبکہ نصیب۔

اس نے سن رکھا تھا کہ ”دلمن وہی جو پا من بھائے“ اور کبھی بھی وہ شدت سے محسوس بھی کرتی تھی کہ ان چاہی سماں ہونے کا کرب کیا ہوتا ہے لیکن یہ احساس اسے خدا کے حضور سر بسجد ہونے پر مجبور کر دیتا کہ شوہر کے نہ سی، سرال والوں کے دل میں تو جگہ بنالی ہے اس نے اور اگر کل کلاں کو نصیب اپنی گرہستی نئے سرے سے کسی پسندیدہ ہستی کے ساتھ بنانا چاہے تب بھی دربداری اس کا مقدر نہیں ہو گی۔

اس گھر کے اندر اس کے قدم مضبوطی سے جتے

جو وہ چاہتا تھا کسی اور نے بھی اسے خوش نما کو ادھر
چھوڑنے کے لیے نہیں کہا۔ دو دن تک اس کے آنسو
نہیں تھے۔ سب سے ملتے وقت وہ یوں ترپ ترپ
کے روئی جیسے اس کی رخصتی سات سمندر پار ہو رہی
ہو۔

”خود کو سنہالو خوشی کیا ہو گیا ہے بیٹا۔ یہ تو
اسلام آباد ہے۔ دو ڈھانی گھنے کا سفر۔ ہر مہینے آ جایا
کریں۔ بلکہ ہر ہفتے۔“ نانو نے تسلی دی۔

”ہاں نصیب! آئندہ تمہارا ہر دیکھ اینڈی میں
گزرے گا۔ اینڈی میں فائل۔“ حسیب بھائی نے
آرڈر دیا۔ ایجادی نے ڈھیر ساری دعا میں دین۔ ربان
اور وہ ایک دوسرے کے لگنے لگ کے دیر تک روپی
رہیں۔ بایجی نجانے کیوں روتے میں بھی بار بار اسے
دیکھ کر مسکراتے جا رہی تھیں۔

”یہ تو الشاکام ہو گیا۔ غمگین بھا بھی آج دشاد بیگم بنی
ہوئی ہیں اور خشک نمانے دنیا سے خشکی مٹا دلانے کا
عزم سر کر لیا ہے، آنسو بہابھا کر۔ ہاں بھی من دو من!
تمہارے اشک میں اس وقت کوئی گانا ہے جو اس
چھوٹیں پہ فٹ بیٹھتا ہو۔“

جو اباً انجمن نے بھاں بھاں کر کے رونا شروع کر
رہا۔

”ہیں۔ ہیں۔ میں نے گانا گانے کو کہا تھا، تم تو
قولی کرنے بیٹھ گئے۔“ نصیب کی سری رنگت تمبا
رہی تھی، نجانے کس احساس سے راستے بھروہ
گنگنا تا، سیٹی بجا تارہا۔ وہ کمپنی کی طرف سے دی گئی
کاڑی میں بالی روڈ اسلام آباد جا رہے تھے ڈرائیور
کے لحاظ سے شاید وہ اسے پھیٹنے سے گریز کر رہا تھا۔
لیکن کب تک؟ خوش نمانے سوچا۔

”ھر جاتے ہی یہ پھر سے وہی بن جائیں گے۔“
اس نے گروں موڑے بغیر کن اکھیوں سے اسے
دیکھا۔

سریست کی پشت سے لگائے وہ شاید سو گیا تھا۔
آج اس نے شیو بھی نہیں کی تھی، براون روائی
روشنی کے عکس سے چہرے پہ کھلیے سونے کے زرے

ہیں۔“ ”چلو چلو۔“ نہیں بایجی کو اس کا اپنی صحت
تبصرہ پسند نہ آیا۔ ”سوئی کب ہوئی ہوں میں۔ ہاں پہلے
کی نسبت اب جسم زرا بھر گیا ہے۔“
”جی ہاں۔ کباب۔“ اس کے فی البدیلہ
جواب پہ تک کر بایجی واک آؤٹ کر گئی۔ وہ اب
تک بت بی پیشہ تھی۔ نصیب نے اٹھ کے اس کے
چہرے کے سامنے چٹلی بجائی۔
”ذکر نہیں۔“

”جی۔“ مری مری سی آواز میں وہ بولی۔
”صرف کل کا دن ہے تیاری کے لیے، پیکنگ
شروع کر دو۔“

”کیا میں مم میں واقعی آپ کے
ساتھ جا رہی ہوں؟“ اسے یقین نہ آ رہا تھا کہ جو شخص
اسے ایک نظر لکھنا کوارانہ کرتا ہو وہ بغیر کسی دباؤ کے
اسے اپنے ساتھ کیسے لے جا رہا ہے (یقیناً) یہ مذاق کر
رہے ہوں گے)

”تو اور کیا کروں۔ یہو تم میری ہو، مجھے سزا ملنی
چاہیے تمہیں بھکتے کی۔ میرے گھر والوں کا لیکا قصور
کہ تمہیں ان کے سینے پہ موونگ دلنے چھوڑ جاؤ۔“
کڑوے انداز میں کھتا وہ الماری سے کپڑے نکال نیکال
کر بید پہ ڈھیر کرنے لگا۔ وہ بہت کچھ کھانا چاہتی تھی،
لیکن کہہ نہ سکی پھر سے ہمت کمزور پڑنے لگی، الفاظ
اندر رہی رستہ کھونے لگے اور زبان گنگ ہو گئی۔

”نصیب! آپ خود پسند ہی نہیں، ازیت پسند بھی
ہیں۔“ اس کی چوڑی پشت کو شکایتی نظروں سے دیکھتی
وہ دل کے پھپھولے دل میں، ہی پھوڑنے لگی۔

میں جانتی ہوں آپ کے معیار پہ پورا اترنے کے
لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ کہ آپ کا تو معیار
بھی بڑا اونچا ہے۔ حسن کے نجانے کس تکس شاہکار
میں آپ سوسو نقش نکال دیتے ہیں جبکہ میں تو حسن کی
کسی تشریح پہ پوری نہیں اترتی۔ مجھے یہیں رہنے
دیجیے پلیز۔“ وہ بند لبوں سے التجا کرنے لگی۔

اس کی خاموش فریادیں خاموش ہی رہیں۔ ہوا وہی

نہیں مارنے چاہئیں؟ کیا میں اتنی ہی بے وصف ہوں؟ کیا میری سوچ بھی اتنی ہی سطحی ہے کہ نہیں نقش اور رنگت کے کامپلیکس سے اور ابھر ہی نہ سکے۔ آخر مجھے میں کچھ تو ہے جو کچھ لوگ مجھے پسند کرتے ہیں۔ سراحتی ہیں اور ان کچھ لوگوں میں نصیب گیوں نہیں شامل ہو سکتے۔

اس نے اسلام آباد پہنچتے پہنچتے اپنی سوچ کو ایک واضح عزم کی صورت دے، ہی ڈالی۔

♥ ♥ ♥

”اسلام آباد شروع ہو گیا؟“ صاف شفاف، چوڑی سڑکیں اور بارعب سرکاری عمارتیں دیکھ کر اس نے پوچھا۔

”اسلام آباد کیا کوئی ڈرامہ ہے جو شروع ہو گیا۔“ اللہ ہی جواب ملا۔

وہ صحیح سات بجے کے قریب گھر سے نکلے تھے اور راستے میں صرف ایک جگہ آدھ گھنٹے کے لیے چائے پینے رکے تھے، اب دن کے دس بجے ان کی گاڑی اسلام آباد کی سب سے مصروف شاہراہ سے گزر رہی تھی۔ ایک پرونق مارکیٹ کے درمیان اونچی سی براون بلڈنگ کے آگے گاڑی رکی۔ اس نے سراغھا کے دیکھا۔

دن کے اس وقت اگرچہ مارکیٹ میں خاص چہل پہل نہ تھی لیکن گردوبیش کا جائزہ لینے سے پتا چلتا تھا کہ یہ ایک مصروف ترین شاپنگ سینٹر ہو گا۔ بوتیکس، سپر اسٹورز، ریستوران اور آفسز کے یورڈ لگے تھے۔ اسی بلڈنگ کے اوپری فلورز پر رہائی فلیٹس تھے جن میں سے ایک کالاگ وہ کھول رہا تھا۔ ”کیا آپ کا آفس یہاں سے قریب ہی ہے؟“ اس نے قیاس کیا۔

”نہیں، میرا آفس تو سیکریٹری کے قریب ہے۔“ اُس علاقے کا سکون اور خوبصورتی قابلِ رشک بھے جاتے ہیں لیکن میرا اول وہاں نہیں لگا۔ میں شروع میں ایک کوئی کے ساتھ وہیں پہنگہ شیر کرتا تھا۔ ایک تو پہلے ہی قیمتی سے کٹ کر دوسرا شریں رہنا اور پھر دو

کی طرح دمک رہا تھا۔ بلا کی معصومیت لیے وہ اسے ایک دم ہی اچھا لگا۔

”کیا تھا جو اس خوبصورت چہرے کے پیچھے ایک حساس سماجیت کرنے والا دل بھی ہوتا۔“

اس نے پہلی بار ولیخان طور پر اس کی وجہت کو تسلیم کیا۔ دراصل اس کا روپیہ اتنا دل شکن ہوا کہ خوش نہ کارہیان کم ہی اس کی شخصیت کے اچھے پہلوؤں کی طرف جاتا تھا۔

”وہاں تو پھر سارے اپنے تھے۔ یہاں اجنبی شریں بیگانے لوگوں کے سامنے بھی اگر انہوں نے میرانداق اڑانا شروع کر دیا تو یہ؟“ اسے نئی فکر لاحق ہوئی۔

”اپ تو بھی مصیبت ہے۔ میں تو یوں مری جا رہی ہوں جیسے مجھے مقتل گاہ لے جایا جا رہا ہو۔ کیا کریں گے یہ زیادہ سے زیادہ؟“ اس نے بہادر غستہ ہوئے سوچا۔

”ہر شخص کا ایک معیار ہوتا ہے اگر میں ان کے معیار کے مطابق نہیں تو مجھے حقیقت پسندی سے یہ تسلیم کر لینا چاہیے۔“ بڑی میچوں لی کے ساتھ اس نے خود کو سمجھا۔

”مناؤ میری کم گوئی، احساس زندہ داری اور سکھڑا پے کی وجہ سے مجھے پسند کرتی ہیں۔ اباجی کو میرانماز پنجگانہ باقلاء کی سے اوکرنا پسند آیا تھا۔ نہ میں باجی کو یہ بات اچھی لگتی تھی کہ میں کام سے گھبراتی نہیں ہوں۔ ریاپ کی مجھے سے دوستی کی وجہ ایک جیسی روپیں تھیں۔ اب اگر نصیب کو مجھے میں کوئی کشش محسوس نہیں ہوتی تو ظاہر ہے کہ جو انہیں چاہیے وہ مجھے میں نہیں۔ ان کا معیار شاید صرف اور صرف حسن ہے جو مجھے میں نہیں۔ کم از کم ان کے تصور کے مطابق تو نہیں۔ اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے سواب کوئی چارہ نہیں۔ اس میں نہ میرا قصور ہے

نہ ہی ان کا۔ ہاں ایک بیوی ہونے کے ناتے میں یہ آخری کوشش ضرور کروں گی کہ یا تو ان کے معیار کے قریب تر پہنچ جاؤں یا پھر ان کا معیار بھی بدل داؤں۔ کیا مجھے یہ آخری کوشش نہیں کرنی چاہیے؟ کیا مجھے اپنی بقا کی جنگ لڑنے کے لیے تھوڑا بہت بھی ہاتھ پاؤں

مجھے میک اپ بالکل بھی نہیں آتا اور یہاں نہ رہا
ہے نہ نہیں باجی۔ ”

”اوں ڈرائیور تو مجھے بہت ضروری کام ہے
ورنہ میں ضروری“ وہ پیشانی مسلتے ہوئے کچھ سوچنے
لگا۔ ”اچھا دیکھتے ہیں کوئی حل“ وہ کھڑا ہو گیا۔

”میں کام سے جاریا ہوں، کچھ پتا نہیں کہ اون،“
البتہ ایک خاتون آئیں گی ربانام کی۔ میرے دوست کی
مسز ہیں۔ ان کے ساتھ چلنی جانا جہاں بھی وہ لے
جائیں۔ البتہ میری تمام تیاری کر کے جانا، میرے پاس
اتنا نام نہیں ہو گا۔“ وہ دلایات دیتا باہر نکل گیا۔

اس کے تمام انداز و اطوار اتنے بار مل یہے تھے کہ
خوش نما کو یقین نہ آسکا یہ وہی نصیب ہے جو نیدھی¹
سادی بات بھی بغیر طنز کے سلمی ستارے مانگے بغیر
نہیں کرتا تھا اور خصوصاً اس کی ہربات کا الٹا مطلب
نکال کر اسے شرمندہ کرنا تو جیسے اس کی عادت تھی۔
کافی کے ساتھ چند بسکٹ لے کر وہ کچھ دیر کے لیے
سو گئی۔ حیرت انگیز طور پر وہ پر سکون گئی۔ وہاں سے
نکلتے وقت اس کے دامن میں اندر یہ شوں، وسوسوں کے
سیوا کچھ نہ تھا۔ ناممیدی اور ما یوسی کی گھٹائوب تاریکی
تھی، رستے بھروسہ خود سے الجھتی آئی ہی لیکن اب جیسے
مل کو قرار سامنے گیا ہو۔ وہ خود اس کی وجہ جانے سے
ناصر تھی۔

پھر ربا آئیں سے ممزولی سے بڑی گرموجو شی اور اخلاق
سے اس سے میں۔ باقی اتنی کہ ایک بات کہنے کے
بعد مخاطب کے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی اگلی بات
شروع کر دیتیں۔

”اللہ کس قدر شوق تھا تم سے ملنے کا“ نصیب نے
تعریفیں کر کے اتنا اشتیاق بڑھا رکھا تھا کہ پوچھو ہی
میں۔

وہ چونکی شادی سے پہلے نصیب نے بھلا کب دیکھ
رکھا تھا مجھے اور بعد میں وہ اسلام آباد گئے ہی نہیں تو
تعریفوں کے جھوٹیں پل کب باندھے۔ اس کے سوال
کرنے سے پہلے ہی ریا پھر شروع ہو گئیں۔

”ہمارے پورے سرکل میں ایک بس وہی کنووارا رہ

استھن سردار جاول میں۔ اس لیے یہ فلیٹ لے لیا، یہاں
دن کے کسی بھی حصے میں سنائی نہیں ہوتی۔ ویسے
اگر تمہیں یہ پسند نہ آیا تو جہاں تم کھو گی۔ بنگلہ لے
لیں گے۔ ”بیڈروم کے لاک کھولتے ہوئے اس نے
اتی اپنائیت سے کماکہ وہ بے ہوش ہوتے ہوتے پھی۔

بیڈروم میں داخل ہوتے ہی اسے حیرت کا ایک اور
شدید جھٹکا لگا۔ اس کرے کی کلرا سکیم، فرنیچر، یروئے،
کارپیٹ جیسی کہ پینٹنگ تک دی ہی تھی جو جہلم والے گھر
میں تھی۔ اس کی حیرت بھانپ کر نصیب نہ بتایا۔

”میں بہت ہوم سک ہو رہا تھا میں پل، گھروالے
تو آئیں کہتے تھے، میں گھری اٹھا کے اس کمرے میں
لے آیا۔“ وہ ہولے سے ہنسا اور خوش نما سوچ کر رہ گئی
کہ کیا یہ شخص بھی ایسے جذباتی دور سے گزر سکتا
ہے۔

”تم ناشتہ کرنا چاہو تو ڈرائیور سے منگالو یا خود ہی کچن
میں جا کر بنالو۔ مجھے یاد نہیں لیکن کچھ تھوڑا بہت تو
سامان ہو گا، ہی فرج میں۔ کل فرصت سے بیٹھ کے

لٹھ بنادنا ضروری چیزوں کی۔“

”ٹسٹ تو بنالوں کی لیکن بستری کی ہو گا کہ میں خود ہی
یہ شاپنگ کر لوں۔ یہاں کی مارکیٹس سے بھی واقفیت
ہو جائے گی۔“

”اینی دے۔“ اس کا مصالحت آمیز دوستانہ سا
روپیہ خوش نما کی کچھ سے باہر تھا۔ ”یہ بعد کے کام میں
فی الحال تم رات کے فکشن کا سوچو۔ میرے یہاں
کے دوست شادی میں شرکت نہیں کر سکے تھے
انہوں نے ہمارے لیے بلکہ تمہارے لیے دیکھ پاٹی
ارٹچ کی ہے۔ آج رات کوپی سی میں۔ تم کچھ ریسٹ کر
لو پھر تیاری کر لینا۔“

”آج ہی تو ہم آئے ہیں اور آج ہی پاٹی۔“ وہ
پریشان ہو گئی۔ (نجانے کیسی پاٹی ہو، کیسے لوگ ہیں،
میں تو خود کو ذہنی طور پر تیار ہیں کرپائی، دوسری تیاری
کیا کروں۔)

”اچھا پھر آپ ایسا کہیے دو گھنٹے کے بعد ڈرائیور
کو بھیج دیجیے گا، میں پار لر جاؤں گی۔ آپ جانتے ہیں

تک سنہ تھا۔
کمرے تک جا کے وہ دوبارہ پلٹا۔ وہ برتن اٹھا کر
پکن تک لے جا رہی تھی۔

”یہ تم نے کون سا سوت نکال دیا ہے بلیک ڈز
سوٹ نکال دیا پھر گرے لاٹنگ والا جو آئٹی کے گھر
پہنا تھا۔“

”میں ان دو گلڑ میں آپ کو دیکھ دیکھ کے شک
آچکی ہوں۔“ بڑی ہمت کی تھی اس نے یہ نقرہ ادا
کرنے میں۔ ”آپ یہ والاسوٹ ہی پہن لے جائے پلیز۔
اور جہاں تک آپ کی اس بات کا تعلق ہے کہ بلیک گلر
آپ کی شخصیت کو ابھارتا ہے تو اس کی فکر مت
یکھیے۔“ وہ ایک لمحہ رکی پھر مرتے ہوئے کہہ گئی۔
”میں نے اپنے لیے بلیک گلر کا انتخاب کیا ہے۔“

♥ ♥ ♥

کرش شیفرن کی بلیک ساڑھی میں وہ سچ مجھ فان گلر
کے سوٹ میں ملبوس نصیب احمد کی شخصیت کو منید
ابھار رہی تھی۔ اس کی پ्र اعتماد چال سے یہ ظاہرنہ ہوتا
تھا کہ اس لباس کو پہننے کا اس سے پہلے اسے کوئی تجربہ
نہ تھا۔

ساڑی کے پلو اور بلاوز کی فل آستینوں پر گولڈن
نفیس کام تھا، سپاہ پتھروں والے گولڈ کے سیٹ، ایک
کلامی میں رومنی کا تحفہ اور دوسری میں رسیٹ و اچ
کے ساتھ وہ سادگی و نفاست کاشاہ کار لگ رہی تھی۔
ہال میں موجود نصیب کے کولیگز ان کی مسزا اور تمام
لوگوں کا اپنے لیے شاندار استقبال دیکھ کر وہ ونگ رہ
گئی۔ سب اس سے ایسے مل رہے تھے جیسے عرصے
سے جانتے ہوں۔ نصیب اس کا ہاتھ تھامے یوں ایک
ایک کے پاس لے جا رہا تھا جسے وہ اسے ملنے والی کوئی
ڑافی تھی خسے وہ فخر سے سب کو دکھارا رہا۔

”تادر جمالی صاحب! ہماری بیگم نہ صرف آپ کی
فین ہیں بلکہ مجھے یہ بتاتے ہوئے خوش محسوس ہو رہی
ہے کہ یہ خود بھی بڑی خوبصورت اور حساس شاعرہ
ہیں۔“ ایک باریش سے شخص سے اس نے خوش نما کا
تعارف کرایا تو وہ مرعوب سی ہو گئی۔ واقعی وہ اس کے

گیا تھا۔ ہمارا تو خیال تھا شاید ہی اس کی پسند کے
مطابق کوئی لڑکی ملے، عجیب و غریب سی تو اس کی
شرطیں تھیں۔“

وہ پوچھنا چاہتی تھی ”کونسی ہی؟“ لیکن ربا اب اس
کے شام کو پہنچنے والے ڈریس کی تعریف کرنا شروع ہو
گئیں۔

”واو، بڑی زیروست چوائس ہے تمہاری،“ کوئی نہ
آف دی ایونگ تم ہی لگوگی اس بلیک ساڑھی میں۔
دیے بھی تمہاری ہائٹ اور فیکر اس ڈریس کے لیے
آئیڈیل ہے۔“

”آلی نو؟“ بڑے اعتماد کے ساتھ مسکراتے ہوئے
اس نے بیک شولڈر پر لٹکایا اور نکلنے کو تیار ہو گئی۔ اب
اس تعریف نے اسے چونکایا نہیں تھا۔

♥ ♥ ♥

پورے تین گھنٹے گزار کر وہ فلیٹ پر پہنچی تو نصیب
آچکا تھا۔

”تم نے پنج لیا؟“ اس کے سامنے کے ایف سی کے
لنج باکس زبردشتے تھے۔ خوش نمانے وال کلاک پر نظر
ڈال۔ شام کے چھوٹے ہاتھ پھر بھی وہ شرمندہ سی ہو
گئی۔

”جی۔ وہہ ربا اصرار کر رہی تھیں تو ہم
نہیں۔“

”اوے کے اس اس آل رائٹ مجھے یہی فکر تھی
کہ کہیں تم ملکف میر نہ ماری جاؤ۔ دیے اگر کچھ ہلکا
چھلکا کہانا ہو تو پلیز جوائیں می بٹ۔ وہ تو کہس
آف لی۔“

وہ مسکراتی ہوئی چائے بنانے چلی گئی۔ اس کے
سامنے بھاں اڑا آگ رکھنے کے بعد وہ سامنے ہی بیٹھ
کے بے تکلفی سے اس کی پلیٹ سے فریچ فراز اٹھا
کے کھانے لگی۔ وہ دلچسپی سے اس کے چہرے پہ تازہ
تازہ میک آپ کو دیکھنے لگا۔

ہیڑا سا تمل اور میک آپ سے بالکل مطابقت نہ
رکھنے والے لان کے ملکے آسمانی سوٹ میں ملبوس وہ
عجیب سی لگ رہی تھی لیکن اسے شاید اس کا احساس

پسندیدہ شاعر تھے۔

”بہت خوب ہیں ہمارے حلقے میں ایک اور شاعر کا
اضافہ۔ بھی اب تو ان گیٹ نو گیدر، نیوایر پار ٹیز اور
بون فائز کے ساتھ ساتھ شاعرے کا بھی اہتمام کرنا
پڑے گا۔“ مسٹروی نے خوش بولی سے کہا۔

”آپ غزل کہتی ہیں خوش نمایا لظم آپ کا ذریعہ
اظہار ہے؟“ نادر جمالی صاحب نے مشق انداز میں
کہا۔

”جی بس کبھی کبھار لظم کہہ لیتی ہوں۔“
”بھی، ہم تو غزل کے شیدائی ہیں لیکن اچھی لظم
کرنے والوں کو بھی راد دیتے ہیں۔“
”ہاں بھا بھی! پلیز کوئی خوبصورت سی لظم
سائیے۔“ نصیب کے کسی اور بے تکلف دوست نے
اصرار کیا۔

”بلکہ سائیے نہیں گنگتا ہے وہی گیت جسے سن کر
ہمارا یار مجھوں ہوا تھا۔“ ولی کی بات پہ وہ بڑی طرح
چونکی۔

”نصیب کا کیا قصور؟“ میں بھی جب صحیح ان سے پہلی
بار ملی تو دیکھنے کے بعد نہیں بلکہ سخنے کے بعد فدا ہی
ہو گئی۔“ ریانے انکشاف کیا۔

”میں تو کہتی ہوں یہ دو سال کیا، نصیب الگھے دو
سال اور بھی انتظار کرتا تو یہ خوش نما کا حق بتاتھا۔“

”گیتنے دو سال۔ آوانسی۔“
ان مبسم اشاروں میں وہ ایسا الجھی کہ کب تقریب کا
خاتمه ہوا، اسے پتا ہی نہ چل سکا۔ نصیب نے اس کا
کھویا ہوا انداز بھانپ کر سب کے اصرار کے باوجود جلد
ہی جانے کی اجازت طلب کر لی تھی۔
کاڑی میں بیٹھتے ہی وہ مزید صبر نہ کر سکی۔

”یہ سب کیا اسرار ہے؟ میں تو کچھ سمجھ نہیں
یار ہی۔ کیا آپ کسی اور کو پسند کرتے تھے؟ کہیں یہ
لوگ مجھے وہی تو نہیں سمجھ رہے ہے؟“ اس کے دماغ کے
اندر جتنے بھی سوال کلبلا رہے تھے، وہ سب اس نے
ایک ساتھ دماغ دیئے۔

”ایک منٹ ایک منٹ، بتاتا ہوں سب بتاتا ہوں،“

گھر تو پہنچ لینے دو۔“

”نہیں پلیز، آپ ابھی بتائیے، وہ کون تھی جس کے
لیے آپ دو سال انتظار کرتے رہے اور پھر آپ کو
محجوراً مجھ سے شادی کرنا پڑی۔“

”وہ تم ہی ہو۔“ اس نے رفتار آہستہ کرتے ہوئے
انکشاف کیا۔

”مجھے بے وقوف مت بنائیے۔ آپ مجھے بھلا کب
جانتے تھے دو سال پہلے۔“
”جانتا نہیں تھا، مانتا تو تھا۔“

”آخر آپ صاف بات کیوں نہیں کرتے؟“
”صف بات۔“ ہماراں کے وہ بتانے پہ تیار ہو
ہی گیا۔ خوش نمانے خود کو ہر طرح کی بات سننے کے
لیے تیار کر لیا۔

”جب مجھے یہ جا بٹی اور میں زندگی میں پہلی بار
گھر سے دور ہوا تو میری حالت بہت عجیب سی تھی، کچھ
عرصہ پہلے ہی امی کی وفات ہوئی تھی، کچھ اوسی اس کی
تھی، بلکہ تب تھی سی تھی اور میں اس سے خاصا
اتیج تھا۔ یہاں آنے کے بعد میں شدید تنہائی اور
ڈپریشن کا شکار ہو گیا۔ ہر وقت بچوں کی تصویریں
پھیلائے بیٹھا رہتا۔

ایسے ہی کسی اداس سے دن میں نے بھا بھی کو فون
کیا۔ ان سے خبر ملی کہ بلبل اب چلن اشروع ہو گئی ہے
میں اسے دیکھنے کو کچل گیا لیکن تب میراٹنگ پریڈ
چل رہا تھا میں جانہ سکتا تھا۔ بھا بھی نے اپنے بھائی کی
شادی کی مووی بھیج دی۔ جس میں بلبل ادھر سے ادھر
بھاگتی دوڑتی پھر رہی تھی۔ میری ساری اداسی دور ہو گئی
اس مووی کو دیکھنے سے۔ میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے
پیارے چرے گھونج رہا تھا، بھا بھی، حسیب بھائی،
ابا بھی، جگنو، بلبل سب کے پیارے پیارے پوز اشل
کر کے دیکھ رہا تھا کہ ایسے میں تم سنائی دس۔

ہاں سنائی دیں۔ میں نے غور کیا، پیچھے ایک گھنے
کے دوران اسکرین پہ کئی بار تمہاری جھلک دکھائی دی
تھی لیکن میں چون کتاب جب تمہاری آواز سنائی دی۔
خوبصورت آوازوں کا میں ہمیشہ سے شیدائی تھا،

خواتین ڈائجسٹ پبلی کیشن
کی ایک خوبصورت پیشکش
نامور مصنفہ رضیبہ جمیل
کا "ساگر دریا بادل بوند"
کے بعد مشہور و معروف ناول

لکھنؤر جو فکا

اب کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے
☆ خوبصورت سرورق
☆ مضبوط جلد
☆ آفسٹ پپر

قیمت صرف = 300/- روپے

کتاب منگوانے کے لیے
آج ہی = 330/- روپے
کامنی آرڈر یا پینک ڈرافٹ
ارسال فرمائیں۔

ملنے کا پا

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار کراچی

تمہاری آواز سب سے جدا اور بھرپور رنگ لیے تھی۔
تم ڈھولک پہ چچے بجا تے ہوئے مہندی کا کوئی گیت گا
رہی تھیں۔ تمہاری آواز کے لوحج کے سامنے ساری
لڑکیاں سحر زدہ سی بیٹھی تھیں۔ میں اکثر وہ مودوی لگا کر
تمہارا گیت سننے لگا، تب مجھے صرف تمہاری آواز
اڑیکٹ کرتی تھی لیکن آہستہ آہستہ شاید تم میرے
حوالوں پہ چھانے لگی تھیں۔

انجانے سے رستے سے تم کسی طرح دل کے اندر
تک پہنچ گئی تھیں مگر مجھے پتا ہی نہ تھا۔ میں تباخبر ہوا
جب پہلے سال بھا بھی نے میری شادی کا ذکر چھیڑا اور
مجھے سے میری پسند کے بارے میں پوچھا۔ پتا نہیں کس
طرح چھن سے تم میرے تصور میں آتی آتیں۔

"میکے سبز سوت میں میک اپ سے بے نیاز چمکتی
شفاف بے داغ سلوانی سی صورت کے ساتھ، سادہ سی
آنکھوں میں دنیا جہاں کی معصومیت سمیٹنے۔ ایک
سحر تھا خوش نہ اتم میں کہ میں وہیں بیٹھے بیٹھے جکڑ گیا۔"
نصیب کی آواز خوش نما کو کیسیں دور سے آتی
محوس ہو رہی تھی۔ یہ ساری کہانی اسے پریوں کی
کہانی لگ رہی تھی۔

"بھا بھی نے جیسے مجھے چھنپھوڑ کر دوبارہ یہ سوال کیا۔
تب میں نے سنبھل کر اشارے کنائیے سے اسیں
تمہارا حلیہ بتایا۔

"بھا بھی! وہ پہلی نظر میں چون کاری نے والی شخصیت نہ
رکھتی ہو بلکہ زینہ بے زینہ دل کے اندر تک اترنے کی
صلاحیت رکھتی ہو۔ اس کی آنکھوں کا رنگ بھلے کچھ
بھی ہو مگر ان میں حیا کے سائے اور معصومیت کے
عکس ضرور ہوں۔ اور سب سے بڑی بات اس کی
آوانس آواز ضرور خوبصورت ہوئی چاہیے بھا بھی۔
جیسے چاندی کی گھنیٹاں نہیں۔ جیسے بھرنا میں یا
پھری گوئل کی چکار میں اور بھا بھی! وہ اتنی معصوم ہو
کہ اپنے حسن سے اپنی کشش سے آگاہ ہی نہ ہو۔"

میرا خیال تھا کہ تم بھا بھی کی قربی عزیز ہو گی۔ اس
لیے وہ میرے اشاروں کے زریعے تم تک پہنچ ہی
جائیں گی لیکن نجات کیوں وہ ادھر ادھر لڑکیاں تلاشتا

رے اس میں اچھے خاصے مفہوم اعصاب کے مالک افراد بھی اپنا اعتماد کھو سکتے تھے۔ اس لیے تمہارا اعتماد واپس لانے تمہاری بدگمانیاں دور کرنے کے لیے مجھے یہ سب ڈرامہ کرنا پڑا۔“

”مجھ پر ایسے غیب و غریب فقرے کس کے اور سب کے سامنے میرا مرضیکہ اڑا کے آپ بھت تھے آپ میرا علاج کر رہے ہیں۔“ وہ حقیقت جان کر پھٹ پڑی۔ ”جانتے ہیں، آپ کی یادیں سننے کے بعد میرا دل چاہتا تھا۔ میں خود کشی کر لوں۔“

”یہ تمہارے ابتدائی احساسات تھے۔ تم مانو یا نہ مانو لیکن میرا طریقہ کار کار گر رہا۔ یا! تم خود بتاؤ اگر میں پہلی ملاقات میں وار فتنگی جتا تو تم کیا سمجھتیں۔ ترس، ہمدردی ہے نا؟ اس لیے میں نے رفتہ رفتہ تمہارا اعتماد بحال کیا۔ سب سے پہلے ایک طویل چھٹی کے ذریعے تمہیں اپنے گھر اور گھر والوں کے قریب رہ کر ان سے مانوس ہونے کا موقع پیدا ورنہ سب سمجھ رہے تھے کہ ایک ماہ کی چھٹی میں نے کسی لمبے ہنی مون ٹرپ کے لیے لے لیا ہے۔ جب تمہیں ایک بھرے پُرے کتبے کی اپنائیت ملی تو خود پر تمہارا اعتماد بحال ہوا۔

ابہمیری بجے نیازی تمہیں کھلنے لگئی، تم سوچنے لگیں کہ جب اور لوگ تمہاری حیثیت سلیم کر سکتے ہیں تو میں کیوں نہیں، تب تم نے اس چیلنج کو پورا کرنے کی ٹھانی۔ تمہارا بغیر کسی پس و پیش کے اسلام آباد چلے آنا اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی اور یہی میں چاہتا تھا کہ بجائے اس کے کہ میں تمہیں تمہارے ہونے کا احساس دلاتا تم خود آگے بڑھ کر مجھے اپنے وجود کا احساس دلو۔“

”اور اگر اگر اس سارے قصے میں میں آپ سے نفرت کرنے لگ جاتی۔ شدید نفرت میں تو پھر؟“ لب دانتوں تلمے ربا کے اس نے شرارت سے پوچھا۔

”نفرت اور مجھ سے؟ رنج کے سونے منڈے سے ایسا ہو، ہی نہیں سکتا۔ زرا میری آنکھوں میں دیکھ کر بتاؤ کیا میں نفرت کے قابل ہوں؟“ اس نے

شروع ہو گئیں۔ پچھو عرصہ میں نے بڑے صبر سے انتظار کیا پھر ان سے بات کریں لی۔ وہ یہ حد حیران تھیں۔ مجھے تمہارے بارے میں ساری تفصیل بتائی۔ میں رمضانہ تھا مجھے صرف تمہارا ساتھ چاہیے تھا۔ بھا بھی نے کچھ عرصہ اور انتظار کرنے کو کہا کیونکہ اتفاق سے پچھر روز پہلے ہی تمہاری اماں کا انتقال ہوا تھا۔ پھر انہوں نے ہی سارے معاملات طے کیے۔ اباجی کو کوئی اعتراض تھا نہ نانو کو۔ سب ہی میری خوشی میں خوش تھے اور ہمیں اس گھر میں لانے کے لیے راضی۔“

گھر آگیا تھا، اس نے گاڑی روکی۔ وہ اتر کر ایک معمول کی طرح آگے بڑھ گئی۔ اس کی خاموشی معنی خیز تھی۔ نصیب چپ چاپ اس کے پیچھے چلا آیا۔ وہ بیٹھ پڑ گئے۔

”کیا ہوا خوش نہما؟ کیا اتنی بدگمان ہو مجھ سے کہ میری زندگی کی سب سے خوبصورت سچائی پہ ایمان نہیں لارہیں؟“ وہ گھسنوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گیا۔

”میں کیسے ایمان لاوں؟ کسے بھول جاؤں آپ کے شروع دنوں کے روئیے کو۔ جو پچھ آپ اپ کہہ رہے ہیں اگر یہ بچے ہے تو پھر وہ کیا تھا جو آپ اس وقت کہتے تھے جب میں لاکھوں امیدیں لیے ہیزاروں خواب آنکھوں میں سجائے آپ کے گھر آتی تھی۔“ دل کی الجھن زبان پہ آہی گئی۔

”لاکھوں امیدیں ہزاروں خواب اور کروڑوں وسے بدگمانیاں تو ان گنت تھیں، ان کی کوئی حد تھی نہ شامی۔“ نصیب نے جایا۔ وہ سر جھکا کر رہ گئی۔

”بھا بھی نے تمہارے سارے خدشے بیان کیے تھے مجھ سے کہ تم اس غلط فہمی کا شکار ہو کہ تمہیں ترس کھا کر انسانی ہمدردی کے طور پر قبول کیا جا رہا ہے۔ پھر مندی والے واقعہ نے مجھے یہ باور کروایا کہ تم خود ترسی کے ساتھ ساتھ احساس کرتی کا بھی شکار ہو۔ اس میں تمہارا قصور نہ تھا تمہارے ساتھ جو حالات

”خبردار لڑکی خبردار۔“
”اچھا اچھا کچھ اور سنا تی ہوں۔“
برے نصیب میرے
برے نصیب میرے
میں نے بچھے۔

اسے ناراضی سے انھوں کر کھڑے ہوتے دیکھا تو
مشکل سے شرارت پہ آماہہ مل کو کان پکڑ کر سرزنش
کی۔

”براہوں نال میں، ٹھیک ہے یاد رکھو، تم تباہی ہو
اور بے بس بھی، ظلم و ستم کی انتہا کروں گا۔“ اس نے
جلاد صفت شوہر کے اشائل میں دھمکی دی۔

”لوخوانخواہ میں تھا اور بے بس۔ ایک فون کروں
نانو، اباجی، حسیب بھائی، باجی سب آجائیں آپ کی خبر
لینے۔“

”اس کا مطلب ہے، میں نے آپ اپنے پیر پہ
کھاڑی ماری ہے۔“

وہ روٹھ کے دور بیٹھ گیا۔ بچھے سے خوش نمانے
وہیرے سے اس کے شانے سے نیک لگاتے ہوئے
گنگناہٹ بکھیر کی۔

منڈاسونے رنگ دا
مل لے گیا۔

میرا رسول رس دی
منڈاسونے رنگ دا

انگی سے اس کا جھکا چہرہ اٹھا کے پوچھا۔ آج تو اس
چھرے کی جگہ گہٹ عروج پہ تھی۔ خوش نما کی جیسے
آنکھیں ہی چند ہیا گئیں۔

”میں تواب تک یہ ہی نہیں سمجھ پائی کہ آخر آپ
نے مجھ میں کیا دیکھا۔ ایک عام سی لڑکی میں۔“ وہ
اتنے قریب اسے پا کر اس کی شخصیت کے سحرے
مرعوب ہو گئی۔

”جب آنکھ میں شام اترے
پیکوں پی شفقت پھسوئے
کاجل کی طرح میری
آنکھوں کو دھنک چھوئے
اس وقت کوئی اس کو
آنکھوں سے میری دیکھے
پیکوں سے میری چوہے۔“

کھر زدہ سی آواز میں گنگناہٹ اور اس کے قریب ہوا تو وہ
بل کھاکے پرے سرک گئی۔

”اوہ ایک بات اور جس کا شک مجھے بہت پہلے
سے تھا، میری ذائری سے نظمیں چراچرا کے آپ ہی
بھجواتے رہے ہیں ہاں؟“

”تم میرا سب کچھ چڑا لو اور میں تمہاری دو چار
نظمیں تک نہیں چڑائیں۔“

”میں بلکہ سچ پوچھیں تو یہ بھی آپ کا احسان ہی تھا
مجھ پہ درنہ اس سے پہلے کب مجھے اس بات کا احساس
ہوا کہ مجھ میں بھی کوئی صلاحیت ہے۔“

”اب ایک احسان آپ بھی کر دیجئے۔“ اس نے
فرماش کی۔

”عرصے سے خواہش تھی کہ کبھی تم میرے سامنے
بیٹھ کے کچھ گنگناہٹ پیزیں۔ آج صرف چند بول۔“
اس کے اتنے اصرار پہ وہ مان گئی۔

”رنگیلارے
تیرے رنگ میں
پول رنگا ہے، مم۔
نصیب نے فوراً“ اس کے منہ پہ ہتھی جمادی۔ وہ
بے ساختہ ہنسنے لگی۔

عکوں ڈال جست کا ایک حریت انگر سلسلہ

امروٹس

آب روختوں میں مثالغ ہو گئی ہے،

مکتبہ عکوں ڈال جست، ۲۳ رو بازار کراچی